مجلسِ ادارت

جلد ۷۴ ماہ ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۴ء عدد ۱

مضامین

مقالات

آثارِ علمیہ و ادبیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اتر پردیش کے بعد اردو زبان کا دوسرا مرکز صوبہ بہار تھا، چنانچہ اس کے بعد اسی نے اردو علاقائی زبان کی تحریک کی جانب عملی قدم اٹھایا اور اسکی تائید میں دس لاکھ دستخط فراہم کئے اور گذشتہ مہینہ پنڈت کشن پرشاد کول کی صدارت میں پٹنہ میں اس کا نہایت کامیاب کنونشن ہوا جس میں ہر فرقہ اور ہر طبقہ و خیال کے لوگوں نے اردو کی حمایت میں تقریریں کیں اور اس کو صوبہ بہار کی علاقائی زبان قرار دیئے جانے کا متفقہ مطالبہ کیا اور اس مطالبہ کو صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے عنقریب ایک وفد بھی جائے گا،

جس حق کی پشت پر کوئی اخلاقی قوت ہوگی اور صاحب حق میں اس کے حصول کا عملی جذبہ اور ایثار و قربانی کا مادہ بھی موجود ہوگا وہ حق کبھی ضائع نہیں ہو سکتا، اور بالآخر مخالف قوتوں کو اس کے سامنے جھکنا پڑیگا، گو ابھی اردو کی مخالفت بڑی حد تک قائم ہے اور اس کے لئے کوئی بڑی جد و جہد اور قربانی بھی نہیں کی گئی، مگر حامیانِ اردو کی محض ابتدائی کوششوں اور ان کے آہنی عزم کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو کی مخالفت میں پہلی سی شدت باقی نہیں رہ گئی اور اس کے مخالفین تک کو کم سے کم زبان ہی کی حیثیت سے اسکے حقوق کا اعتراف کرنا پڑا جس پر ان کی تقریریں شاہد ہیں، اور ہمارے صوبہ کی حکومت کو جس کی حیثیت اردو کے مقابلہ میں ایک فریق کی ہے کسی نہ کسی حد تک اردو کے حقوق کا لحاظ رکھنا پڑا، چنانچہ شعبۂ تعلیم نے نئے نصاب میں اردو کی تعلیم کی گنجائش پیدا کر دی ہے اور اس کے متعلق احکام بھی جاری کر دیئے ہیں، مگر اس کے شرائط ایسے رکھے ہیں کہ حامیانِ اردو کی پوری کوشش کے بغیر ان کو عمل میں لانا دشوار ہے، ماتحت عملہ میں اردو کی مخالفت پوری طرح قائم ہے اور وہ قانونی اعتراض سے بچکر اردو کی تعلیم میں رکاوٹیں پیدا کر سکتا ہے، اس لئے جب تک ایک مرتب نظام کے ماتحت اجتماعی جد و جہد نہ کی جائیگی اسوقت تک اس گنجائش سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور اب ادارہ تمام تر اردو کے حامیوں کی مستعدی اور کوشش پر موقوف ہے،

اس سلسلہ میں ادارہ فروغ اردو لکھنؤ کی کوششیں لائق تحسین ہیں، اس نے اردو کی علمی خدمت اور تعلیمی مہم کی تکمیل کیلئے فروغ اردو کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ نکالا ہے جو اس بارہ میں مفید مشورے، اسکی مشکلات کا حل اور ہر قسم کے معلومات پیش کرتا ہے، اردو کے کام کرنیوالوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، افادۂ عام کے لئے اس رسالہ کی قیمت کل عہ رکھی گئی ہے، اس لئے ہر شخص اس کو آسانی سے خرید سکتا ہے، اس کا پتہ یہ ہے کہ ادارۂ فروغِ اردو نعمت اللہ روڈ لکھنؤ،

ہمارے صوبہ کی حکومت کی یہ فیاضی اور قدر دانی، بلکہ قومی خدمت لائق ستائش ہے کہ اس نے مولانا حسرت موہانی مرحوم کی بیوہ اور بچوں کی گذاری کے لئے دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا ہے، حسرت موہانی مرحوم قومی مجاہد بھی تھے اور شعر و ادب کے استاد فن بھی، انھوں نے اس زمانہ میں ہندوستان کی آزادی کیلئے قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں جب اسکی آواز سے کم لوگ مانوس تھے، اور موجودہ لیڈروں میں سے تو بہتیرے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، انھوں نے اردو شعر و ادب کی بھی بڑی خدمت انجام دی ہے اسلئے حکومت نے انکے پسماندگان کے لئے وظیفہ مقرر کر کے اپنی قوم پروری اور علم دوستی دونوں کا ثبوت دیا ہے، جس کے لئے وہ تعریف کی مستحق ہے،

پاکستان کے قیام سے ہندوستان کے مسلمان جن گوناگون مشکلات میں مبتلا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے مذہبی، اسلامی اور علمی و تجارتی ادارے سخت مالی دشواریوں میں پڑ گئے، مسلمانوں کی بڑی تعداد کے پاکستان میں نکل جانے کی وجہ سے خالص مذہبی اداروں مثلاً دینی مدارس کی امداد اور انکے طلبہ کی تعداد کم ہو گئی جس سے انکا چلنا مشکل ہو گیا، علمی و تجارتی اداروں کی کتابوں کی نکاسی ہندوستان میں بہت گھٹ گئی، اسکی کمی پاکستان کے خریداروں سے پوری ہو جاتی مگر حکومتِ پاکستان نے دوسری تجارتی چیزوں کی طرح کتابوں کی درآمد پر پابندی لگا کر اس کو بھی بڑی حد تک ختم کر دیا، اس میں جو کسر رہ گئی تھی وہ پاکستان کے تاجرانِ کتب نے پوری کر دی، انھوں نے خدمتِ اسلام کا یہ ثبوت دیا کہ نہایت آزادی سے ان اداروں کی کتابیں چھاپنا شروع کر دیں، اس طرح جو برائے نام تجارت باقی رہ گئی تھی وہ بھی ختم ہو گئی، اگر یہ صورت قائم رہی تو ہندوستان کے اسلامی اداروں کے چلنے کی کوئی شکل نہیں ہے،

پاکستان اس دعوی کے ساتھ قائم ہوا تھا کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں پر کوئی نازک وقت پڑا تو

دونوں کیلئے سینہ سپر ہوگا اُس امداد کی توقع لینا ضرورت نہیں اس گئی گذری حالت میں بھی یہاں کے مسلمان اپنے حالات آپ سمجھنے کیلئے کافی ہیں لیکن پاکستان کی اسلامی حمیت کا اتنا تقاضا تو بہرحال تھا کہ وہ ہندوستان کے باقی ماندہ اسلامی آثار کو اپنے ہاتھوں سے نہ مٹائے اور یہاں کے اسلامی اداروں کو پاکستان سے جو اخلاقی اور تجارتی مدد مل سکتی ہو اس کا راستہ بند کرکے ان اداروں کو تباہ نہ کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ کتابوں کی تجارت پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے یا کم سے کم ان کے لائسنس دینے میں فیاضی سے کام لیا جائے ہندوستان سے پاکستان کل کتنی کتابیں جائیں گی اور پاکستان کے تجارتی توازن پر اس کا کونسا اثر پڑیگا اسلئے اس بارہ میں اس کو فیاضی سے کام لینا چاہئے، دوسرے ایسے قوانین بنائے جائیں کہ پاکستان کے تاجر کتب ان اداروں کی کتابیں نہ چھاپ سکیں، بلکہ دونوں حکومتیں مل کر اس کا قانونی انسداد کریں کہ ایک ملک کی کتابیں دوسرے ملک میں نہ چھپنے پائیں ورنہ اگر پاکستان کی وجہ سے یہ ادارے ختم ہوگئے تو اس کے دامن پر یہ بڑا بدنما داغ رہ جائیگا کہ اس سے ان کو مدد کیا ملتی الٹے انکو ختم کردیا، ایک زمانہ وہ تھا کہ بقول اقبال کعبہ کو صنم خانے سے پاسبان مل گئے تھے، اور ایک زمانہ یہ ہے کہ خود پاسبانِ اسلام اس کی یادگاروں کو صنم خانے کے حوالے کئے جاتے ہیں، ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا،

یہ سطریں ہم نے انتہائی مجبوری اور دکھ کی حالت میں لکھی ہیں کاش ہماری آواز پاکستان کے اربابِ حکومت کے کانوں تک پہنچ سکتی،

بزم اقبال لاہور نے گذشتہ سال سے ایک سہ ماہی رسالہ اقبال، اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکالنا شروع کیا ہے اس کا مقصد اقبال کے افکار و خیالات، اور ان علوم کا تنقیدی مطالعہ ہے جس سے ان کو زیادہ شغف اور دلچسپی تھی اور جو ان کا خاص موضوع تھے، یہ رسالہ اب ہماری نظر سے گذرا ہے، اقبال اپنے مضامین کے معیار اور ظاہری حسن و نفاست دونوں لحاظ سے بلند پایہ اور بزم اقبال کے شایانِ شان رسالہ ہے، مضامین سب فاضلانہ اور ٹائپ خوبصورت اور نظر افروز ہے، حجم بھی خاصہ ہے، دونوں رسالوں کی قیمت پانچ پانچ روپیہ سالانہ ہے جو رسالہ کی ظاہری و معنوی خوبیوں کے مقابلہ میں کم ہے، اردو میں سنجیدہ علمی رسالوں کی بڑی کمی ہے، ایسی حالت میں جب کوئی اچھا اور معیاری رسالہ اتفاقیہ نکل آتا ہے تو بڑی مسرت ہوتی ہے، ہم اس معاصر کا دلی خیر مقدم اور علمی طبقہ سے اس کی خریداری اور مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں اسکے ملنے کا پتہ یہ ہے بزم اقبال نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور،

مقالات

مینا بازار کا مصنف

از

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب لکھنؤ یونیورسٹی

ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ عربی و فارسی میں لکچرر ہیں، ممکن ہے عربی کی علمی و ادبی دنیا میں کچھ نام پیدا کر چکے ہوں، اگر فارسی کے حلقہ میں گمنام ہیں، معارف کی مئی کی اشاعت میں انھوں نے "مینا بازار کا مصنف" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا ہے، جو ص ۳۵۰ سے ۳۶۰ تک پھیلا ہوا ہے، اور جس کے متعلق قیاس ہوتا ہے کہ ان کا پہلا مضمون ہوگا، اس مضمون کو لکھ کر انھوں نے فارسی ادب سے اپنا گہرا تعلق جوڑنا چاہا ہوگا تاکہ ان پر یہ الزام عائد نہ ہو،

ع عرب ہنوز[1] نداند رموز عجم ورنہ

بہرحال وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں،

اس میں شبہہ نہیں کہ باوجود فارسی کی مشہور درسی کتابیں ہونے کے مینا بازار اور پنج رقعہ دونوں کے مصنف کی حیثیت مشتبہ و مجہول ہے بعض لوگوں نے انھیں ارادت خان واضح کی طرف منسوب کیا ہے، اور بعض بیان سے ان کا

---

[1] اقبال مرحوم کا مشہور مصرعہ یہ ہے "عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ" میں اس تحریف و ترمیم کے لئے معذرت خواہ ہوں،

مصنف ظہوری ظاہر ہوتا ہے، میں نے اپنی کتاب "ظہوری" کے ص ۳۳۰ تا ۳۵۱ پر ان دونوں کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، لیکن مجھے اس امر کے اظہار میں کسی قسم کی جھجک نہیں کہ ۱۲-۱۳ سال کی تحقیق و تلاش کے دوران میں مجھے ایسا کوئی تاریخی ثبوت نہ مل سکا جس کی بنا پر قطعی طور پر ان کے مصنف کا یقین ہو سکتا مگر چند قرائن ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے ظہوری کی تصنیف ماننے میں مجھے تامل نظر آیا، ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے میری رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مینا بازار کو ظہوری کی ملک قرار دیا ہے، مجھے جب اس مضمون کا حال معلوم ہوا، تو بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ شاید فاضل موصوف کو کوئی ایسا مواد ہاتھ لگ گیا ہو جس کی بنا پر وہ کسی خاص نتیجہ پر پہنچ سکے ہیں لیکن مضمون پڑھنے پر معلوم ہوا کہ انھوں نے بغیر کسی تلاش و تحقیق کے یہ مضمون سپرد قلم کیا ہے اور مزید مواد کا ذکر ہی کیا، جو مواد خود میری کتاب میں موجود تھا، اسے بھی نتیجہ خیز طور پر استعمال نہیں کیا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے میری کتاب کا اتنا حصہ بھی بغور مطالعہ نہیں کیا، کیونکہ بعض مخطوطات کی تفصیل کیٹلاگ میں غلط درج تھی، میں نے اصل مخطوطے کے مطالعہ کے بعد فہرست نگار کی غلط فہمی رفع کر دی تھی، مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ زیر غور مضمون میں وہی غلطی بعینہٖ موجود ہے، اسی طرح بعض کتابوں کا نام صراحۃً میری کتاب میں موجود ہے لیکن بجائے اُن ناموں کے فاضل معترض نے "کسی کتاب" کا فقرہ درج کیا ہے، چنانچہ اس مضمون کے آخر میں اس طرح کے چند نقائص کو یکجا کر دیا گیا ہے، یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دیا جاتا ہے، کہ زیر بحث مضمون میں میرا ہی فراہم کیا ہوا مواد ہے، جس کو اپنے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور میرے ہی پیش کئے ہوئے دلائل سے دوسرا نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے، میرے ہی متعین کئے ہوئے قرائن ہیں جن کی تصدیق بھی ہوتی ہے، اور تغلیط بھی ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

میں نے ہندوستان کے تمام کتاب خانوں سے مواد جمع کر کے اور ظہوری کے کلیات کے کم از کم پانچ نسخوں کے مطالعہ و مقابلہ کرنے اور فارسی شعراء کے تمام قلمی و مطبوعہ تذکروں سے استفادہ کرنے کے بعد مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف قرار دینے میں شبہہ ظاہر کیا ہے، بالفاظ دیگر مجھے تامل نظر آیا، ہے، چنانچہ صرف ایک جگہ اپنے اس خیال کو مشروط طور پر ظاہر کیا ہے، اور فاضل معترض نے دس پانچ روز کی محنت کے بعد بغیر کسی شبہہ کے اس طرح کے نتیجے پر پہنچ گئے،

(۱) میرے نزدیک مینا بازار کا مصنف ظہوری اور صرف ظہوری ہے، (ص ۳۵۹ س ۱۲)

(۲) نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ظہوری کی ہے، اس کے بعد قرائن و قیاسات کی گنجایش کم باقی رہتی ہے، (ص ۳۶۵ س ۱۸-۱۹)

(۳) مصنف مینا بازار اور مصنف سہ نثر جو میرے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو ظہوری ہی،

(ص ۳۶۹ س ۱۵)

(۴) وہ بپکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ ظہوری کے قلم کی تراوش کا نتیجہ ہے، (ص ۳۷۲ س ۲)

(۵) یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ کتاب مینا بازار کا مصنف واضح نہیں بلکہ ظہوری ہے

(ص ۳۷۰ س ۴-۵)

مجھے مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف ماننے میں جو امور مانع ہیں وہ کئی ہیں، اُن میں سے مقدم یہ ہے کہ گیارہویں اور بارہویں صدی کے اوائل تک کے کسی مخطوطے میں مینا بازار ظہوری کی فہرست مصنفات میں شامل نہیں،

دوسرے ظہوری کے کلیات کے کسی اہم مخطوطے میں یہ کتاب نہیں ملتی، اگر کسی میں ملتی بھی ہے تو الحاقی ہے، اس سلسلے میں میری کتاب "ظہوری"[1] میں کلیات کے رام پور، بانکی پور کے دونوں نسخوں نسخہ علی گڑھ، نسخہ لکھنؤ، اور بادلے کے دونوں نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان میں اول پانچ میرے مطالعہ

[1] ملاحظہ ہو ۲۱۳ بیعد،

میں آچکے ہیں، ان میں سے کسی میں مینا بازار شامل نہیں ہے، کلیات بانکی پور کے نسخۂ اول (نمبر ۷۰۸) میں پنج رقعہ اور مینا بازار ضرور شامل ہیں، لیکن اس میں ورق ۲۱ تا ۴۲ (جو صرف اتنے ہی حصوں پر مشتمل ہے) اصل کاتب کے علاوہ ایک دوسرے شخص مسمی ولی محمد نے ۱۲۰۹ھ فصلی میں شامل کر دیا تھا، اسی طرح انشائے ظہوری (مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ) میں سہ نثر، رقعہ بنام فیضی کے ساتھ پنج رقعہ بھی شامل ہے، اصل مخطوطہ کے مطالعہ کے بعد یہ راز کھلا کہ اول دونوں حصے ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ کا ترقیمہ ہیں، اور پنج رقعہ ۱۱۲۰ھ کا اضافہ،

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو چاہئے تھا کہ ایسے مواد فراہم کرتے، جس سے میرے قیاس کی تغلیط ہوتی، یعنی ایسے مخطوطات دریافت کرتے، جن کی کتابت بارہویں صدی کے اوائل تک ہوئی ہوتی، لیکن یہ کام کافی وقت طلب اور صبر آزما (اور بعض اوقات حوصلہ شکن بھی) تھا، اس لئے انھوں نے فوراً رُخ بدل دیا، اور میرے قیاس کو صحیح مان کر اس طرح کا اظہار خیال کرنے لگے،[1]

"مخطوطہ رام پور، مخطوطہ بانکی پور، مخطوطہ علی گڑھ، اور مینا بازار کے سارے مطبوعہ[2] نسخے ظہوری کے خلاف ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرے مخطوطات میں ظہوری کو مصنف قرار دیا گیا ہے، مثلاً بانکی پور کا مخطوطہ نمبر ۷۰۸، برٹش میوزیم کا مخطوطہ (ج ۲ ص ۲۴۴)، رسائل ظہوری، شرح تصنیفات ظہوری،[3] یہ چار مخطوطے کھلے الفاظ میں مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف بتاتے ہیں،" (ص ۳۶۰)

---

[1] معارف ص ۳۶۰، اس اقتباس کا پہلا جملہ اُن کے بیان کی تلخیص ہے [2] کم از کم تین مطبوعے (یعنی نولکشور خدائی، اور مصطفائی) کے نسخے میرے پیش نظر رہ چکے ہیں [3] مصنفہ عبدالرزاق سورتی، حالانکہ دوسرے قرینے کی بحث کے سلسلہ میں تعداد بڑھانے کے لئے عبدالرزاق کا نام پھر وہاں شامل کر دیا گیا ہے،

آپنے ملاحظہ کیا میں نے کلیات کے سات مخطوطات کا حوالہ دیا تھا، مضمون نگار نے ان میں سے دو کو صاف طور پر نظر انداز کر دیا، اور ایک کو اپنی طرف سمیٹ لیا، یعنی مخطوطہ بانکی پور نمبر ۷۰۸، جس کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ کم سے کم وہ حصہ جو مینا بازار اور پنج رقعہ پر مشتمل ہے، بعد کا اضافہ ہے، جس کی تفصیل میری کتاب کے ص ۳۱۵، ۳۴۲ پر مل سکے گی، اگر فاضل مضمون نگار کو میری رائے سے اختلاف کرنا تھا، تو وجہ اختلاف ضرور درج کرنا چاہئے تھا، ورنہ جو بات ثابت ہو چکی ہو اس کو نظر انداز کر کے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرنا بہت بڑی علمی خیانت ہے، اب ان کے چار مخطوطات میں صرف تین رہ جاتے ہیں، جن میں ایک شرح کا نسخہ ہے اور برٹش میوزیم کا نسخہ صرف اس کے نثری مصنفات پر مشتمل ہے، غرض ان تینوں میں کوئی نہ کلیات کا مخطوطہ ہے، اور نہ گیارہویں اور بارہویں صدی کے اوائل کے ترقیمے ہیں، اس بنا پر میرے قیاس کی تغلیط نہیں ہو سکتی، افسوس اس کا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ میں "بس اسی قدر" اور "چار"[1] کی قید لگا کر اصول تحقیق پر کاری ضرب لگائی ہے، تلاش و تحقیق سے نہ جانے کتنے اور ایسے مخطوطات[2] مل سکیں گے جن میں مینا بازار شامل ہو گی، اور ممکن ہے ایسے نسخے بھی دستیاب ہو جائیں جن میں ظہوری کے مصنفات میں یہ کتاب شامل ہو، مگر یہ زحمت کون گوارا کرے، حق تو یہ ہے کہ اگر کچھ مخطوطات ایسے ملتے جن سے میرا قیاس رد ہو سکتا، اس وقت یہ مضمون لکھا جاتا تو بات بھی صاف ہو جاتی، اور مضمون نگاری کا حق بھی ادا ہو جاتا، لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کسی خاص مقصد سے یہ مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہو جس کے لئے میرے بیان کی تغلیط بھی ضروری ہے، مگر نہ محنت کریں گے، اور نہ اصول تحقیق مد نظر رکھیں گے،

ع : اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

---

[1] ملاحظہ ہو، معارف ص ۳۶۰ س ۴ [2] انڈیا آفس میں ظہوری کے کلام کے ۱۴ مخطوطوں میں سے کسی میں مینا بازار نہیں، بادلے کے دونوں نسخوں سے خارج ہے، ایشیاٹک سوسائٹی کے افتادہ کے مجموعہ میں کسی میں نہیں، صرف کرزن کے متعدد مخطوطوں میں سے .... صرف ایک میں ہے، اور برٹش میوزیم

اب ذرا اس سلسلہ مین ڈاکٹر صاحب کے قیاسات و تاویلات بھی ملاحظہ فرماتے جائیے :

(۱) "جن مخطوطات[1] مین مینا بازار کا ذکر ظہوری کی تصنیف کی حیثیت سے نہین ہے، تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بارہ مین خاموش ہین، یعنی انھون نے ظہوری کے مصنف ہونے کی تردید نہین کی ہے، اور یہ نہین لکھا کہ ظہوری نہین بلکہ کوئی دوسرا شخص اس کا مصنف ہے، اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ چیز قابلِ غور ہوتی، ورنہ محض مجموعہ مین اس کتاب کے موجود نہ ہونے کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے (کہ) آخر کے مینا بازار والے صفحات کسی طرح ضائع ہو گئے ہون، یا وہ کسی ایسے مجموعہ سے نقل ہوے ہون جس مین اتفاق کی وجہ سے مینا بازار شامل نہ ہو سکی، اسی طرح تصانیف ظہوری مین مینا بازار کا تذکرہ نہ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے، کہ وہ کسی ایسے مجموعہ یا کلیات سے تیار کیا گیا ہو جس مین مینا بازار نہ رہی ہو"

(۲) "اہلِ مطبع[2] کی غرض جلبِ زر ہوتی ہے، نہ کہ کسی مسئلہ کی تحقیق اور ان کا اصول تو افواہ عام کی پیروی ہے، چونکہ عام طور پر شہرت یہی تھی کہ مینا بازار ارادت خان واضح کی تصنیف ہے، اس لئے اسی کو انھون نے لکھ دیا، اس لئے اہلِ مطبع کی سند پر کوئی فیصلہ کرنا کسی طرح قرینِ صحت نہین"

(بقیہ حاشیہ ص ۹) کے ۴-۵ مخطوطون مین صرف ایک مخطوطے مین پائی جاتی ہے، گویا صرف دو نسخے ظہوری کی نثری تصنیف کے ایسے ہین جن مین یہ کتاب شامل ہے، اس کے برخلاف نہ جانے کتنے ایسے نسخے ہین جن میں یہ شامل نہین،

[1] معارف ص ۲۶۰، س ۹ ببعد،

[2] معارف ص ۲۶۰، ۲۶۱،

کلیات کوئی تذکرہ ہے یا تاریخ جس مین فاضل مضمون نگار ہر چیز کی تفصیل چاہتے ہین، کلیات مین کسی چیز کا شامل ہونا تصدیق اور نہ شامل ہونا تردید ہے، تحقیق کا اصول یہ ہے کہ جب کسی تصنیف کے بارے مین کوئی تاریخی ثبوت فراہم نہ ہو سکے، یا مورخین و تذکرہ نویسون مین اختلاف راے ہو تو سب سے زیادہ قوی قرینہ خود کلیات کے نسخے ہون گے، اگر کلیات کے متعدد نسخون مین کوئی تصنیف شامل نہ ہو، تو اسے اس مصنف کی ملک ماننے مین نہ صرف تامل ہو گا، بلکہ انکار کر دینا صحیح ہو گا، اور تواتر کے ساتھ کلیات کے اہم نسخون مین جو مطالب ہون گے، وہی مقبول، باقی غیر مقبول ہون گے، مینا بازار کو بھی اسی اصول پر جانچنا چاہیے، ظہوری کے زمانہ سے لے کر تقریباً سو سال بعد تک کسی مخطوطے مین (خواہ وہ صرف کلیات ہو یا نثری مجموعہ) یہ کتاب شامل نہین ہے، اس اعتبار سے جب تک اس دعوی کی تغلیط نہ ہو گی، مینا بازار کو کسی متاخر شارح[1] یا لغت نویس کے قول پر ظہوری کی ملک قرار نہین دیا جا سکتا، علاوہ برین مینا بازار کے نہ صرف سارے نسخون سے (جو متعدد مطبعون مین طبع ہو چکے ہین) بلکہ بیشتر قلمی نسخون سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے، کہ وہ ارادت خان کی تصنیف[2] ہے یعنی ظہوری کی تصنیف نہین ہے، ایسے حالات مین میرا شبہہ اور تامل ایک حقیقت ہے، اور میرے قیاس کی تغلیط، اس مصرع کا مصداق ع

تو کج اندیشی آن بہتر کہ صد روز آستان بینی

ڈاکٹر صاحب کے پہلے قیاس کے آخری دونون جملے ایک ہی بات ظاہر کرتے ہین، حالانکہ صاحب موصوف دو باتین کہنا چاہتے تھے، اور دوسرا دعوی (کہ عام طور پر مشہور یہی تھا کہ مینا بازار ارادت خان کی ہے) بھی قابلِ توجہ ہے، احمد علی نے تذکرہ مخزن الغرائب[3] مین صاف طور پر اس کے بالکل برعکس خیال ظاہر

[1] متاخر مصنفون کے بیان کی بنیاد صرف کلیات کے نسخون پر ہے، اس لئے زیر بحث مصنفین کے کلیات کے نسخے خود متاخرین کے قول سے زیادہ اہمیت رکھتے ہین [2] مین قطعی طور پر یہ بھی نہین کہہ سکتا کہ وہ واضح ہی کی ہے، [3] ص ۹۹۱ (قلمی نسخہ بانکی پور)

گیا ہے کہ عام طور پر ظہوری کی طرف منسوب ہے، لیکن ارادت خان کی معلوم ہوتی ہے، اور یہ تذکرہ ۱۲۱۹ھ کا ہے، اور انہی ایام میں مینا بازار کی طباعت بھی ہوئی ہے،

اس طرح کی بے بنیاد تاویلات کسی تاریخی تحقیق کے شایانِ شان نہیں،

مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف ماننے میں دوسرا امر یہ مانع ہے، کہ بعض مورخ اسے ظہوری کی ملک ماننے میں تامل کرتے ہیں، مثلاً محمد حسین آزاد سخندانِ فارس[۱] میں لکھتے ہیں،

"کوئی کہتا ہے مینا بازار ارادت خان کی ہے کوئی کہتا ہے ظہوری کی ہے"

مگر اس سے زیادہ صاف بیان نگارستانِ فارس[۲] کا ہے:

"مینا بازار کو بھی ناواقف لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ظہوری کا ہے، مگر اہلِ تحقیق سے سنا گیا ہے کہ ارادت خان کا ہے"،

احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں[۳]:

"مینا بازار ظہوری کہ درین ایام نہایت شہرت دارد گویند از انشائے واضح است"

ڈاکٹر ریو[۴] نے بھی واضح کے حالات کے ضمن میں اس کو واضح کی تصنیف بتایا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اسے ظہوری کی تصنیف بتاتے ہیں،

ان اقوال کو ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے بھی درج کیا ہے، اور اس کے بعد حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں[۵]،

"مگر خود یہ اقوال قابلِ بحث ہیں، مثلاً پروفیسر آزاد کا حال یہ ہے کہ ہمایون نامہ کی جو تحقیق انھوں نے کی ہے اور نقارے دوام کے دربار میں جہانگیر کی بابت جو کچھ لکھا ہے اس کا حال علامہ شبلی کی زبانی سے سنئے، آبِ حیات میں حکیم مومن خان کے متعلق جو تحقیق کی ہے، اسکی حقیقت

---

[۱] ص ۴۴ [۲] ص ۱۴۳ [۳] ص ۹۹۱ [۴] یہ محمد احمد صاحب کا اضافہ ہے، مجھے ریو کے یہاں یہ بیان نہیں ملا [۵] معارف ص ۳۶۱، ۳۶۲،

گلِ رعنا میں دیکھئے، آتش کی نماز کا جو حال "اہلِ راز" کے حوالے سے لکھا ہے، اس پر زبانِ خلق کی تنقید ملاحظہ کیجئے، اس لئے پروفیسر آزاد کی سند پر کوئی قطعی فیصلہ کرنا درست نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے شہرت عام کو باوزن بنانے کے لئے اہل تحقیق کے حوالے سے درج نگارستان کر دیا ہو، کسی کتاب میں "احمد علی صاحب نے بھی گویند" (فعل محذوف الفاعل) سے اس رائے کو تعبیر کیا ہے اور پروفیسر آزاد نے بھی "سنا گیا ہے" بصیغہ مجہول لکھا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تنہا واضح کا نام نہیں تبلایا ہے، بلکہ ظہوری کا نام بھی لیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکو بھی پورا یقین نہیں تھا، رہے ڈاکٹر ریو صاحب تو اُن کے قیاس کی...... بنیاد ہی غلط ہے ...... اس کے مقابلہ میں" ابراہیم خلیل[۱]، صاحبِ غیاث اللغات[۲]، ٹیک چند بہار، صاحب فرہنگ آنند راج صاحبِ تذکرۃ الشعراء، عبدالرزاق سودتی، ڈاکٹر ایتے، امام بخش صہبائی اور ریورنڈ جوئل نے اس کو ظہوری کی تصنیف قرار دیا ہے"

انکے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد چونکہ محقق نہیں ہیں، اور چونکہ انھوں نے اکثر دوسرے بیانات کو غلط طور پر پیش کیا ہے، اس لئے اُن کی بنیاد پر کوئی بات نہیں لکھی جا سکتی، مجھے فی الحال آزاد کی حمایت میں کچھ نہیں عرض کرنا ہے، صرف پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کے حالیہ کتابچہ "آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ"[۳] کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں، جس نے آبِ حیات کے معترضین کے اعتراض کی حقیقت پوری طرح بے نقاب کر دی ہے، لیکن اگر آزاد کی بعض رائیں غلط بھی ہوں تو بھی ظہوری کے بارے میں اُن کی جو رائے ہوگی، اُسے ایک نظر میں کیونکر غلط ٹھہرایا جا سکتا ہے، مصنف خواہ کسی حیثیت کا کیوں نہ ہو، جب تک اس کی کوئی بات دلائل سے غلط یا صحیح نہ ٹھہرائی جائے، اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا اصولِ تحقیق کے خلاف ہے، ڈاکٹر

---

[۱] آخری حصے میں اُن کے بیان کو مختصراً پیش کر دیا گیا ہے [۲] آخر ۱۹۵۳ء میں اسرارِ کریمی پریس الہ آباد میں طبع ہوا ہے،

محمد احمد صاحب کا خیال ہے، کہ راقم حروف نے مولانا امام بخش صہبائی کی تحقیق کو یہ لکھکر کم وزن اور نظرانداز کرنا چاہا ہے کہ "وہ متاخرین میں سے ہیں" ڈاکٹر موصوف نے صہبائی کو عہد آخر کا بڑا محقق تسلیم کیا ہے، میں بھی اُن کی علمی فضیلت و مرتبت کا قائل ہوں، لیکن تاریخی تحقیق میں اُن کو سند نہیں سمجھ سکتا، خصوصًا ظہوری کی نثری تصنیف کے بارے میں ان کی تحقیق حد درجہ ناقص و قابلِ رد ہے[1]، انھوں نے سہ نثر ظہوری میں سے کم از کم دو حصوں کے الگ الگ نام تجویز کئے ہیں، مثلاً لکھتے ہیں[2] :-

"بعنان کشتی قائد توفیقِ شرح گلزار ابراہیم نیز از خامہ خام رقم صہبائی نارسا باتمام انجامید...... اکنون خواہش آن ست کہ خامہ از دست افگنم و در گوشۂ عزلت تن زنم، اما اسرار معانی طالبان آسودہ نمی گذارند کہ تا خوانِ خلیل گسترده نشود گرسنہ چشمہا از شکوۂ بخل طبیعت لب نخواہد بست"

آگے مزید رقم طراز ہیں[3] :-

"مژدہ باد کہ فراخی حوصلہ خامہ ام خوانِ خلیل گسترده" الخ

ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ سہ نثر میں دوسری نثر کا عنوان گلزار ابراہیم، اور تیسری کا خوان خلیل ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سہ نثر تین دیباچوں[4] کا مجموعہ ہے، جس میں پہلی نثر کتاب نورس کا دیباچہ ہے، دوسری گلزار ابراہیم، اور تیسری خوان خلیل کا، کتاب نورس کا مصنف ابراہیم عادل شاہ ہے، اور گلزار ابراہیم

[1] انھوں نے مصنفات ظہوری کی شرح لکھی ہے چنانچہ شرح نویسی کے ضمن میں مینا بازار کو ظہوری کی طرف منسوب کیا ہے مگر ان کا ماخذ صرف بہار عجم ہے چنانچہ لکھتے ہیں، صاحب بہار عجم اول نوشتہ کہ نور الدین ظہوری در مینا بازار در تعریف بزاز گوید، ازین جا معلوم می شود کہ تحقیق ہمین است کہ این نسخہ از ظہوریست و آنچہ از ارادت خان واضح گویند اصلے ندارد، صرف بہار عجم کی بنیاد پر کوئی قطعی فیصلہ قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا [2] شرح سہ نثر ص ۲۰۷، [3] ص ۲۰۸، نیز دیکھو ص ۱۲۰، [4] دیکھو میرا کتابچہ تحقیقی مطالعہ ص ۹۰ بعد،

خوانِ خلیل ظہوری اور ملک قمی کی مشترکہ بیاضین تصنیفیں، جو ابراہیم عادل شاہی کے نام سے معنون تھیں، حضرت صہبائی ہی اس طرح کی غلطی کا شکار نہیں ہیں، بلکہ بعض دوسرے اہم مصنفین کے یہاں بھی یہی غلطی پائی جاتی ہے، اس لئے اگر ہم صہبائی کو ظہوری کا محقق نہ مانیں، یا کم از کم اُن کے ان اقوال کو جو ظہوری کی تصنیف کی تاریخی حیثیت کے بارے میں ہیں، قابلِ توجہ نہ جانیں، تو غالبًا معذور رکھے جائیں گے، اب ذرا محمد حسین آزاد صہبائی کا مقابلہ بھی کرتے چلئے، بقول معترض آزاد نے چند دوسرے بیانات غلط لکھے ہیں، اس لئے اُن کا کوئی قول ظہوری کے متعلق سند نہیں ہو سکتا، صہبائی کی خود ظہوری کی نثر کا تصنیف کے متعلق جو تحقیق ہے، اُس کو ملاحظہ ہی کیا جا چکا ہے، اس لئے ہم اگر اُن کے تاریخی فیصلہ کو چنداں درخور اعتنا نہ سمجھیں تو ہدف اعتراض نہیں، آزاد کے بیان میں صاف طور پر تحقیق کی جھلک نظر آ رہی ہے، کوئی محقق عمومًا اور ایسا محقق خصوصًا جو مختلف موضوع پر عمومًا تحقیق کر رہا ہو، ظہوری کی بابت مختلف فیہ مسئلہ میں کوئی قطعی رائے کیونکر دے سکتا ہے، جس نے ذرا بھی تحقیق کی، اس کے سامنے اختلافات کی خلیج رونما ہو گئی، اور وہ مبہوت و ششدر ہو کے رہ گیا، مگر اس میدان کی "حیرت زدگی" محمود اور قطعی رائے مذموم ہے، یہ وہ منزل ہے جہاں صرف کامیابی ہی وجہ افتخار نہیں ہے، بلکہ نامرادی و محرومی کی بھی داد مل سکتی ہے،

لے اسی ظلمت کدہ میں اُس سے محرومی کی داد
اس سے آگے اے دلِ مضطر حجابِ نور ہے

ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے محض اپنی بات باوزن بنانے کے لئے اُن لوگوں کے لئے کئی جگہ محقق اور خواص جیسے فقرے استعمال کئے ہیں، ان میں سے ایک صاحب کی تحقیق کا حال آپنے ملاحظہ ہی کر لیا، بقیہ آٹھ میں سے تین لغت نویس ہیں، الفاظ فقرات، محاورات وغیرہ میں تو اُن کی تحقیق مسلّم[1] ہے، لیکن ان کی

[1] میں اُن کے کمال فن لغت نویسی کو تسلیم کر لوں، لیکن کم از کم صاحب غیاث اللغات کے فنی کمال کی حیثیت غالب کی زبان سے سنئے،

تاریخی تحقیق محمد احمد صاحب کے نزدیک مسلّم ہو تو ہو، مگر محققین کے نزدیک قابلِ قبول نہین ہو سکتی، البتہ اگر اُن کی رائے کی دوسرے اقوال سے بھی تائید ہو جائے، تو اُسے ماننے مین ہرگز تامّل نہ ہوگا، مگر صرف اُن کی رائے اختلافی مسئلہ مین ہرگز قابلِ قبول نہین ہو سکتی، اور ۱۱ وین صدی کے لغت کو ظہوری کا اصل ماخذ قرار ہی نہین دیا جا سکتا،

اس مین شبہہ نہین کہ ابراہیم خلیل بارہوین صدی کے اواخر تک ایک اہم تذکرہ نویس گذرے ہین، اور انھون نے مینا بازار کو ظہوری کے مصنفات مین شامل کیا ہے،[51] (لیکن پنج رقعہ کو خارج کر دیا ہی) لیکن اسی عہد کے دوسرے مشہور تذکرہ نویس احمد علی نے لکھا ہے کہ مینا بازار ارادت خان کی بھی طرف منسوب ہے، ابراہیم خلیل نے فارسی شعرار کے دو تذکرے لکھے، ایک عام تذکرہ ہے، جو صحف ابراہیم کے عنوان سے ۱۲۰۵ھ مین مرتب ہوا، اور دوسرا ۸۰ مثنوی گو شعرار کے حالات پر مشتمل ہے، جو ۱۱۹۸ھ مین خلاصۃ الکلام کے عنوان سے مکمل ہو چکا تھا، لیکن خود ظہوری کی تصنیف کے بارے مین آخر الذکر تذکرہ مین اس مصنف سے سخت غلطی سرزد ہو گئی ہے، اس نے ملک قمی کی منبع الانہار[52] کے ۲۹ شعر ظہوری کے ذیل مین درج کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ منبع الانہار ظہوری کی تصنیف ہے، جس سے ڈاکٹر ایتھے وغیرہ مستشرقین کو بڑا دھوکا ہو گیا،[53] اور وہ منبع الانہار کو صراحۃً ظہوری کی ملک بتلاتے ہین، لیکن راقم نے متعدد داخلی و خارجی شہادتون سے یہ حقیقت بے نقاب کی ہو کہ یہ ظہوری کی تصنیف نہین ہے، چنانچہ میری کتاب "ظہوری" کے صفحات ۳۳۰ سے ۳۳۵ تک اس پر کسی قدر تفصیلی بحث ہے، اور راقم نے ایک تفصیلی مقالہ منبع الانہار کے مصنف کے عنوان سے اورینٹل کانفرنس کے سترہوین اجلاس بمقام احمد آباد (اکتوبر نومبر ۱۹۵۳ء) پڑھا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم خلیل کا بیان ظہوری کے مولفات کے سلسلے مین حرفِ آخر کا درجہ نہین رکھتا، معلوم ہوتا ہے کہ شہرتِ عام کی بنا پر انھون نے ظہوری کی طرف منسوب کر دیا، اور اس مین کسی تحقیق کو دخل نہین دیا،

---

[51] صحف ابراہیم ورق ۱۰۸۵، خلاصۃ الکلام ورق ۲۳ [52] ایک مثنوی مخزن اسرار کے جواب مین ہے۔ [53] انڈیا آفس کیٹلاگ ج ۱ ص ۸۲۰، ۸۲۲،

محتاط مورخ اس طرح کی کوئی نہ کوئی بات ضرور درج کرتا، جس سے اس سلسلے کے اختلافات پر روشنی پڑتی، (خواہ وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا ہو) مخزن الغرائب لکھتے وقت یعنی ۱۲۱۸ھ مین اس طرح کے اختلافات کا حال ملتا ہے، تو ۱۲۰۵ھ مین یعنی صحف کی تکمیل کے موقع پر یہ اختلافات ضرور موجود ہون گے، صاحبِ مخزن نے اس اختلاف کا ذکر کرکے اپنا قول بہ نسبت ابراہیم کے زیادہ مستند ثابت کر دیا ہی،

مخزن الغرائب بھی قلمی شکل مین ہے، اور صحفِ ابراہیم اور خلاصۃ الکلام تو بہت کمیاب ہین، اور ان کتابون کے نام محمد احمد صاحب نے اپنے مقالے مین نہین لکھے ہین، اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ انھون نے یہ تذکرے بچشم خود نہین دیکھے، مگر ان کی بنیاد پر جو بات لکھی وہ اس قدر اٹل طور پر لکھی ہے، کہ اس مین کسی شبہہ کی گنجائش ہی نہین چھوڑی،

عبدالرزاق سودتی نے بھی مینا بازار کو ظہوری کی طرف منسوب کیا ہے،[54] انھون نے ظہوری پر کافی کام کیا ہے، مگر ان کا کام تنقید اور شرح نویسی تک محدود ہے، تاریخی تحقیق سے تعلق نہین رکھتا، پھر بھی اصل ماخذ ہونے کی بنا پر اُسے بالکل نظر انداز نہین کر سکتے، لیکن چند مضبوط قرائن کی بنا پر مین نے اُن کی رائے کے خلاف مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف قرار دینے مین تامل کا اظہار کیا ہی،

ڈاکٹر ایتھے بڑے درجہ کے محقق ہین مگر ظہوری کے مصنفات کے بارے مین وہ بار بار غلطی کرتے رہے ہین،[55]

---

[54] انھون نے مصنفات ظہوری کی شرح بھی لکھی ہے، اور مقدمات ثلاثہ ظہوریہ کے عنوان سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے، جس کو سہ نثر کا مقدمہ سمجھنا چاہیے، مگر حالات کے ضمن مین انھون نے مینا بازار کو ظہوری کی طرف منسوب نہیں کیا ہی، حالانکہ سہ نثر وغیرہ کا ذکر ہے، اور رقعہ بنام فیضی پورا درج کر دیا ہے، (ملاحظہ ہو مقدمات ظہوری (ص ۳ - ۷) [55] انڈیا آفس مین ظہوری کے مصنفات کے ۴ مخطوطے ہین، مگر ان مین کسی مین مینا بازار شامل نہین، صرف ایک ایک مخطوطہ نمبر ۱۵۰۹ کے ضمن مین مینا بازار کے ذکر نہ ہونے کا اشارہ کیا ہے، ایتھے کی تحقیق کا دار یہی ہی، مزید اسی تحقیق کو باڈلے کی فہرست نگار نے کے ضمن مین کلیاتِ ظہوری کے دو مخطوطے ملے، اگر دونوں سے یہ کتاب خارج ہی،

باولے کی فہرست نگاری[1] کے ضمن میں دیباچۂ خوان خلیل کا کچھ حصہ انھیں مل گیا، جسے انھون نے پنج رقعہ پر محمول کر دیا، اور کلیات نمبر ۴ میں منقولہ رقعہ بنام فیضی کو تمام مصنفات کا دیباچہ قرار دیا ہے، اسی طرح دیوان ہند کے ایک مخطوطہ "کلیات ظہوری"[2] کی صراحت کے موقع پر اُن سے پھر بڑی غلطی ہوئی ہے، انھون نے اس کے سب اجزا ظہوری کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، جو غلط ہے، کیونکہ جیسا مین نے تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ اصل مخطوطہ دراصل ملک اور ظہوری کی مشترکہ تصنیف گلزار ابراہیم ہے، جو ۹۰۰۰ ابیات پر مشتمل تھی، اور جس پر ابراہیم عادل شاہ نے دونون مصنفون کو چار اونٹ سونے کی رقم عنایت کی تھی، اس کے دیباچے دونون نے الگ لکھے تھے، ظہوری کا دیباچہ سہ نثر مین دوسری نثر ہے، اس مخطوطے کی تفصیلی بحث میرے کتابچہ تحقیقی مطالعے" کے ص ۹۹ سے ۱۰۱ تک پھیلی ہوئی ہے، ان غلطیون کے ذکر سے میرا مقصد صرف ان لوگون کی تاریخی تحقیق کی اصل حقیقت واضح کرنا ہے، جن کو ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے ظہوری کے مصنفات کا محقق قرار دیا ہے، مختصر یہ کہ ڈاکٹر ایتھے کے بیان پر کوئی مضبوط رائے قائم نہیں ہو سکتی، نیز ڈاکٹر ریو نے جو ایتھے کے برابر کے محقق ہین، مینا بازار کو واضح[3] کی طرف منسوب کر کے ظہوری کے خلاف پلہ بھاری کر دیا ہے،

تذکرۃ الشعراء اور ادبیات عجم کی تعارفی تاریخ میں مینا بازار کا ظہوری کی طرف انتساب کسی تحقیق کی بنا پر نہیں، بلکہ شہرت کی وجہ سے ہے، اس لحاظ سے یہ بیان چندان لائق توجہ نہیں، اور انھین اصل ماخذ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا،

اس کے مقابلے میں ابراہیم زبیری مؤلف بساتین السلاطین[4] کا ذکر بے جا نہ ہوگا، ابراہیم بیجاپور کا اہم مورخ سمجھا جاتا ہے، اگرچہ اس کے بیان مین غلطیان بھی پائی جاتی ہین، مگر ظہوری کے بارے میں اس کا

[1] ملاحظہ ہو انڈیا آفس کیٹلاگ ج ۱ ص ۸۲۰، ۸۲۲ ۔ [2] یہ خود محمد احمد صاحب کا قیاس ہے، مجھے اس کی حقیقت میں شبہ نظر آرہا ہے [3] یہ بادشاہان بیجاپور کی تاریخ ہے، سیدی پریس حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، [4] ملاحظہ ہو ص ۴۶، ۴۷ مخطوطہ نمبر ۱۰۸۰ ۱

بیان بہت زیادہ قابل توجہ ہے، یہ وہ مورخ ہے، جس کے پیش نظر ظہوری کے فرزند ملا ظہور کا محمد نامہ[1] ہے اور صرف یہی مورخ ہے جس نے ظہوری کی وطنی نسبت قائنی لکھی ہے، جو تقریباً یقینی ہے، اس لئے کہ خود ظہوری نے دو مختلف ابیات مین "قائین" کو اپنا مولد بتایا ہے، اس اعتبار سے ابراہیم زبیری کا سہ نثر کا ذکر کرنا، اور مینا بازار کے بارے مین سکوت اختیار کرنا خاصی اہمیت رکھتا ہے، اس نے دوبار ظہوری کے تینون دیباچون کا ذکر کیا ہے، مگر زیر بحث تصنیف کا شمار اُس کے مصنفات مین نہین کیا، اس سے بھی میرے قیاس کی تائید ہوتی ہے، ممکن ہے، ڈاکٹر محمد احمد صاحب بھی اس بیان کو اپنے قیاس کا موید سمجھین، اس لئے کہ اس مین صراحۃً تردید نہین ملتی، مگر اس تائید کی حقیقت معلوم ہو،

مینا بازار کے ظہوری کی تصنیف نہ ہونے کے حسب ذیل قرائن ہین،

(۱) مینا بازار اگر ظہوری کی تصنیف ہوتی تو متقدمین کے یہان اس کا تذکرہ ملتا، اس قیاس کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ[2]

"متقدمین کے یہان اس کا بیان نہ ہونا مین اس کی دلیل ہے کہ مینا بازار ظہوری کی تصنیف ہے، کیونکہ ظہوری کا زمانہ واضح سے تقریباً ایک صدی قبل ہے، اور متاخرین کا زمانہ ظہوری کے مقابلہ مین واضح سے قریب تر ہے، اس لئے اگر مینا بازار واضح کی تصنیف ہوتی، تو متاخرین اس کو ہرگز فراموش نہ کرتے، اور بلا وجہ سو برس پہلے کے ظہوری کے سر اس کی تصنیف کا سہرا نہ باندھتے، بلکہ جس طرح "محققین" نے واضح کی طرف ادنی اشارہ بھی نہین کیا ہے، اسی طرح متاخرین بھی کرتے، اور ظہوری کا نام بھی اس سلسلہ مین نہ لیتے"

یہ منطق ہماری فہم سے بالا ہے، اب تک متقدم کا قول اہم سمجھا جاتا تھا، مگر آج یہ راز کھلا کہ متاخر کا قول

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸) میرے پیش نظر بانکی پور کا قلمی نسخہ بھی رہا ہے، دیکھو ورق ۱۱۴، ۱۱۲ [1] محمد عادل شاہ کے عہد کی تاریخ ہے، اس کا تنہا نسخہ کپورتھلہ کے کتب خانہ مین تھا، جو اب پٹیالہ کا یونیورسٹی مین منتقل ہو گیا ہے [2] معارف ص ۲۹۶

مستند اور قابلِ قبول، متقدم، اور معاصر کی بات قابلِ رد، "محققین" ڈاکٹر موصوف کی حیثیت تو آپ ملاحظہ ہی کر چکے، ان کا ادنیٰ اشارہ بھی قابلِ توجہ ہے،

دوسری دلیل اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے،

"یہ کتاب ہے تو ظہوری ہی کی، مگر اس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے، اس کا مسودہ سوء بس بعد واضح کے ہاتھ لگ گیا، واضح نے بھی اس مین کوئی خیانت نہین کی، اور کہین اس کو اپنی جانب منسوب نہین کیا، بلکہ صرف اپنے قلم سے اس کو نقل کیا، بعد مین جب لوگون کو یہ نقل واضح کے قلم سے ملی، تو انھون نے اس کو اس کی تصنیف سمجھ لیا، مگر اہلِ نظر نے اندازہ کر لیا کہ یہ تو ظہوری کی طرزِ انشا سے مماثل ہے، اور ظہوری ہی کی چیز ہے"[1]،

معترض کا خیال ہے کہ مجھے اپنی کتاب مین اسی طرح کی تاویل کرنا چاہئے، لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ اس طرح کے مزخرفات شاید ہی کسی تحقیقی مضامین مین پائے جاتے ہون، اس قسم کی دوراز کار تاویلات، اور بعید از فہم قیاسات تحقیق کے اصول کے خلاف ہین،

میرا دوسرا قیاس یہ تھا کہ اگر مینا بازار ظہوری کی ملک ہوتی، تو اس کی تکمیل اس کے قیام بیجاپور کے دوران مین ہوئی ہوتی، کیونکہ ابراہیم عادل شاہ (بادشاہ بیجاپور) کا عہد اس قسم کی فضا کے لئے ساز گار تھا، (اگرچہ اس قیاس کے پیچھے کوئی تاریخی واقعہ نہیں) اور احمد نگر کی سیاسی زبون حالی اس قسم کی فضا کیلئے حد درجہ ناموافق تھی، علاوہ برین مینا بازار مین ایک بیت[2] ظہوری کے ساقی نامے سے منقول ہے، یہ ساقی نامہ برہان نظام شاہ کے نام معنون ہوا ہے، جو ۹۹۹ھ ہجری سے ۱۰۰۳ھ تک احمد نگر کے تخت پر متمکن تھا، مین ظہوری کے دوسرے حصے مین ساقی نامہ کے سالِ تصنیف سے بحث کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ ساقی نامے

---

[1] معارف ص ۳۶۶ [2] وہ بیت یہ ہے،

زبان مشک دہان نخن پروران سہیل عقیق لبِ دلبران (ص ۵۶)

کی تکمیل ۱۰۰۳ھ ہجری کے بعد ہوئی ہے، اور چونکہ ۱۰۰۳ھ ہجری کے قبل ظہوری بیجاپور پہنچ گیا ہے، اس لئے اگر مینا بازار ظہوری کی ہے، تو اس کے قیام بیجاپور (یعنی ۱۰۰۳ھ ہجری کے بعد) کی یادگار ہوگی، ظہوری کی تمام بیجاپوری تصانیف مین ابراہیم عادل شاہ کی مدح موجود ہے، بلکہ یہ تمام تصانیف بادشاہ ہی سے متعلق ہین، اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ مینا بازار مین چونکہ بادشاہ کی مدح کا ایک جملہ نہین پایا جاتا، اس لئے اس کو اس عہد کی تصنیف قرار دینے مین سخت قباحت ہوگی، اور جب اس عہد کی یادگار نہین ثابت نہین ہوتی، تو پھر ظہوری کی ملک ہرگز نہین ہوسکتی،

فاضل معترض کو چاہیئے تھا کہ وہ اس بحث کو صاف کرتے، کہ مینا بازار کا زمانۂ تصنیف کیا ہوسکتا ہے، بیجاپوری تصانیف کے جو قرائن بیان ہوئے ہین، وہ کس حد تک ماننے کے لائق ہین، ظاہر ہے کہ یہ کام خاصہ دقت طلب تھا، اور کافی جستجو و کاوش چاہتا تھا، اسلئے انھون نے فوراً رخ بدل دیا، اور میرے قیاس کو صحیح مان کر اپنے موافق دلائل قائم کئے، جو بیساختہ داد چاہتے ہین، چنانچہ رقمطراز ہین،[1]

"بہرحال قیاس ہے کسی وجہ سے ظہوری نہین چاہتا تھا، کہ اس کی تحریر کا علم ابراہیم عادل شاہ کو ہو اور مخفی رکھنے کی کئی وجوہ ہوسکتی ہین:

"مثلاً ظہوری نے کسی دوسرے کی فرمایش پر قلعۂ دہلی کے اس بازار کا بیان لکھکر اسے دے دیا ہو، (اور کسی ادیب اور شاعر کے ایسے کارنامون کی کمی نہین) اس لئے اس مین عادل شاہ کا ذکر نہ کیا ہو، مگر بعد کے "نقادون" نے اس کی طرزِ تحریر سے پہچان لیا ہو کہ یہ ظہوری کی تصنیف ہے،

ظہوری نے دربارِ اکبری کے اہلِ قلم کے سامنے اپنے کمال کا اس طرح اظہار کرنا چاہا ہو

---

[1] معارف ص ۳۶۷،

کہ اس نے بے دیکھی ہوئی چیز کی مصوری دیکھی ہوئی چیز کے برابر کر دی"

مجھے سخت حیرت ہے کہ اُسے مین کس چیز پر محمول کرون، خواب ہے یا بیداری کی

حقائق کی تلاش ہے، یا خود تراشیدہ افسانہ کی نمایش، سچ ہے قلم کے زور کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ حقیقت

کو افسانہ اور افسانہ کو حقیقت کر دکھائے،

جنون کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنون
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(باقی)

(دار المصنفین کی نئی کتاب)

مآل و مشیت

حیاتِ انسانی کے دو بنیادی تصورون کی فلسفیانہ تحلیل، اسلوب تحریر دلکش و دلآویز، مصنف بڑے تجربہ کار ماہر تعلیم اور فلسفہ سے خاص شغف رکھتے ہین، اردو کا دامن فلسفیانہ کاوش کے کسی بدیع و مستقل نتیجہ سے ہنوز تقریبًا خالی ہے، اس کی ساری کائنات اکثر و بیشتر چند ترجمون یا تلخیصات پر مشتمل ہے، مآل و مشیت اسی خلا کا مختصر گوشہ پر کرنے کی درحقیقت ایک حقیر سعی ہے، جو تمام تر قوت سے فعل مین آنے کے لئے امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد مدظلہ کی بصیرت افروز تصنیفات و مقالات کی رہین منت ہے جن کے قدرت کلام اور قوت انشا کے بے نظیر نمونون نے سب سے پہلے مغربی افکار کی راہین اردو کی سرزمین پر نکالنے کی ہمت افزائی کی شروع مین ایک مختصر مقدمہ ہے، اس کے بعد حیات انسانی کے انہی دو بنیادی تصورات مآل و مشیت پر سلسلہ افکار دو مستقل دفترون مین پیش کیا گیا ہے، آخر مین چند صفحون مین پوری بحث پر تبصرہ ہے،

از صاحبزادہ ظفر حسین خان صاحب مترجم مقالہ روسو

قیمت :- ۱۲؍

منیجر

تاریخ بدایونی پر ایک اجمالی نگاہ

از

ڈاکٹر محمد ابراہیم ایم اے پی ایچ، ڈی

(۴)

عجیب و غریب واقعات کے سلسلہ مین لکھتے ہین کہ جس وقت ملا صاحب رامائن کا ترجمہ کر رہے تھے، اس وقت دربار مین ایک عورت کو حاضر کیا گیا، جو مرد بن گئی تھی، اکبر نے طبیبون کے ذریعہ تحقیقات کرائی، تو معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے،

"واز جملہ غرائبی کہ درین ایام روے داد، آن بود کہ در دیوان خانۂ فتح پور زن حلال خوری را آوردہ می گفتند کہ مرد گشتہ ...... وحکماے موید این معنی دلائل می گذرانیدند"[1]

ملا صاحب لکھتے ہین کہ یہ کوئی نیا واقعہ نہین ہے بلکہ ایسے واقعے اور بھی ہوے ہین، ابھی حال ہی مین اخبارات مین اس قسم کی خبر شائع ہوئی تھی، چنانچہ لکھتے ہین،

"می گفتند مثل این واقعہ بسیار بظہور آمدہ و سبحان من یتصرف فی ملکہ کما یشاء"[2]

فارسی نامی شاعر کے ذکر مین بیان کرتے ہیں کہ اس کا باپ ایک خشخاش کے دانہ پر نہایت صاف ستھرے خط مین سورۂ اخلاص اور اس کے دوسرے بازو پر اس کی تفسیر لکھتا تھا،

"مشہور است کہ پدرش در یک طرف دانۂ خشخاش سورۂ اخلاص تمام درست خوانا نوشتہ در"[3]

---

[1] منتخب التواریخ، حصہ دوم ص ۲۳۷، [2] ایضاً ص ۲۳۲، [3] ایضاً ۳۱۱،

طرف دیگر نیز از ین مقوله"

خود فارسی جس کا نام شریف تھا، ایک خشخاش کے دانہ مین آٹھ سوراخ کرتا تھا، اور ان مین باریک

تار پرو دیتا تھا،

"[۱] و شریف پسرش در یک دانہ خشخاش میگویند کہ ہشت سوراخ باریک کردہ، و تار ہا

دران گذراندہ"،

اور چاول کے ایک دانہ پر ایک مسلح سپاہی کی تصویر نقش کر دیتا تھا،

"[۲] و در دانۂ برنجی صورت سوارے مسلح و جلوداری در پیش مع دیگر خصوصیات از تیغ و سپر

و چوگان و غیر آن نقش نمودہ"

توسی نامی شاعر کے ذکر مین لکھتے ہین کہ وہ اتگہ خان کے بھائی خان کلان کی خدمت مین تھا،

اور کنگھی کے سرے یا اس قسم کی دوسری چیزون پر نہایت صاف ستھرے خط مین شعر کندہ کرتا تھا،

"[۳] در خدمت خان کلان می بود و در تراشیدن خلال و شانہ و امثال آن بے مثل و عدیل زمانہ بود"،

اس نے خنجر خلالی کے نوک پر یہ شعر کندہ کیا تھا

کار توسی در ہم از زنجیر زلف یار ادست

ہم چو زلف یار دایم صد گرہ در کار ادست"

ملا صاحب نے اکبر کی ادب نوازی کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائے ہین، اکبر نے جیسا کہ بیان ہو چکا

ہے فارسی ادب کی بڑی سرپرستی کی، اس کے دور مین بیشمار کتابین فارسی مین ترجمہ کی گئین، خصوصاً سنسکرت

کی، شاہنامہ قصہ امیر حمزہ اور جامع الحکایات کے مطالعہ کے بعد اکبر کو ہندوؤن کی مقدس کتابون کے ترجمہ کا خیال

پیدا ہوا تھا،

---

[۱] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۳۱۰، [۲] ایضاً ۔ [۳] ۱۱ حصہ سوم منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۱۵، [۴] ایضاً

"[۱] چون شاہنامہ و قصہ امیر حمزہ را .... و قصہ ابو مسلم و جامع الحکایات و غیر آن را

مکرر شنیدند بخاطر رسانیدند .... اکنون کتابہائے ہندی را کہ دانایان مرتاض عابد

نوشتہ اند .... ترجمہ از ہندی بزبان فارسی فرمودہ"

چنانچہ اُس نے نقیب خان، فیضی اور خود ملا صاحب وغیرہ علما و حکما، کو طلب کر کے اُن کے ترجمے کا

حکم دیا، اس سے اس کو اتنی دلچسپی تھی کہ دن رات خود نقیب خان کو اُن کا مطلب سمجھاتا تھا، پہلے مہابھارت

کے ترجمہ کا حکم دیا،

"[۲] حکم فرمودند کہ کتاب مہابھارت را تعبیر میکردہ باشند و چند شب بنفس نفیس معانی آنرا

بہ نقیب خان خاطر نشان ساختند"

مہابھارت کے ترجمہ کا کام ملا صاحب، نقیب خان، ملا شیری، سلطان حاجی تھانیسری اور شیخ فیضی

نے مل کر انجام دیا تھا،

"[۳] بعد ازان پارۂ را ملا شیری و نقیب خان تمام ساختند، و پارۂ را سلطان حاجی تھانیسری

منفرد با تمام رسانید بعد ازان شیخ فیضی مامور شد"

ترجمہ مکمل ہونے کے بعد ابوالفضل نے اس پر دیباچہ لکھا، اسے رزم نامہ کا نام دیا گیا اور تصویرون سے مزین

کرنے کے بعد اکبر نے امرا کو حکم دیا، کہ وہ اس کا ایک ایک نسخہ خریدین،

"[۴] و آنرا رزم نامہ نامیدہ مصور و مکرر نویسانیدہ و با مرا .... حکم انتساخ تیمناً و تبرکاً صادر

شد .... و شیخ ابوالفضل .... خطبہ نیز مقدار دو جزو بران نوشت"

۹۹۲ھ مین اکبر نے ملا صاحب کو رامائن کے ترجمہ کے لئے حکم دیا، اس کو ملا صاحب مہابھارت پر

ترجیح دیتے ہین، لکھتے ہین کہ اس مین ۲۵ ہزار اشلوک اور ہر اشلوک مین ۶۵ حرف ہین،

---

[۱] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۲۰، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً ص ۳۲۰، اور ۳۲۱ [۴] ایضاً ص ۳۲۱،

"دورین ایام فقیر را ترجمہ کتاب رامائن فرمودند کہ در تصنیف مہا بھارت سبقت دارد و[1]
بیست و پنج ہزار اشلوک است و ہر شلوک نقرہ ایست شصت و پنج حرفی"

ملا صاحب نے ۹۹۹ھ مین یہ کام پورا کیا، یہ ترجمہ منظوم ہے، اس کا آخر شعر سن کر اکبر بہت محظوظ ہوا،

"و در ماہ جمادی الاول سنہ سبع و تسعین و تسعمایہ (۹۹۹) ترجمہ کتاب رامائن را در عرض
چہار سال نوشتہ و مثنی تمام ساختہ گذرانیدم و چون در آخر آن نوشتہ بودم کہ

ما قصہ نوشتیم بہ سلطان کہ رساند   جان سوختہ کردیم بہ جانان کہ رساند

بسیار مستحسن افتاد،

اکبر کو یہ ترجمہ بہت پسند آیا، اُس نے ملا صاحب کو اس پر خطبہ لکھنے کو کہا مگر اس کے لئے ایسا خطبہ
درکار تھا جس مین حمد و نعت نہ ہو اس لئے ملا صاحب نے انکار کر دیا،

"حکم فرمودند کہ دیباچہ چنانچہ رسم مصنفین می باشد نیز بنویس و چون انتہاش چندان نداشت[2]
و نیز خطبہ بے نعت بایستی، نوشت اغماض نمودم"

اتھربن بھی ہندوؤن کی مقدس کتاب ہے، اکبر نے اس کا ترجمہ بھی فارسی مین کرایا، کہ شیخ بھاون
جس نے اس وقت اسلام قبول کیا تھا، اس کے ترجمہ مین ملا صاحب کی مدد کی تھی،

"و فرمودند تا بیداً اتھربن را .... بفارسی ترجمہ سازد"[3]

فیضی سے نل دمن کا فارسی ترجمہ کرایا، ملا صاحب اس ترجمہ کی بڑی تعریف کرتے ہین، اور
لکھتے ہین کہ گذشتہ تین سو سال مین امیر خسرو کے بعد کسی نے ایسی مثنوی نہین لکھی،

"و درین ایام ملک الشعراء حکم تصنیف پنج گنج فرمودند تا در مدت پنج ماہ کہ و بیش کتاب[4]
نل دمن را .... مرتب ساختہ و بسیار مستحسن افتاد .... و الحق مثنوی است

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۳۶ [2] ایضاً ص ۳۶۶، [3] ایضاً ص ۲۱۲، [4] ایضاً ص ۴۰۶

کہ درین سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر گفتہ باشد"
یہ ترجمہ بھی مصور تھا،[1]

"و حکم بکتابت و تصویر آن و خواندن در محفل بہ نقیب خان فرمودند"

اکبر نے شعراء کی بھی بڑی سرپرستی کی، وہ خود شاعری سے دلچسپی رکھتا تھا، اس لئے اُس نے
شعراء اور اہل قلم کی بڑی عزت و ہمت افزائی کی، ہندوستان کے مغل حکمرانون مین سب سے پہلے اکبر
ہی نے شعراء کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا، غزالی مشہدی پہلا شاعر تھا جسے خطاب عطا
ہوا تھا، ملا صاحب لکھتے ہین،

"بعد از ان بملازمت پادشاہی رسیدہ خطاب ملک الشعرائی یافت"[2]

غزالی مشہدی کے بعد فیضی اس خطاب سے سرفراز ہوا، اکبر کے درباری اور امراء بھی شعراء کی سرپرستی
مین کم نہین تھے، ان مین خانخانان سب مین ممتاز تھا، ملا صاحب لکھتے ہین، کہ اہل قلم اور شعراء کے علاوہ
خان خانان ہنر پرست بھی تھا، چنانچہ اُس نے رام داس کو جو ماہر موسیقی تھا، ایک مجلس مین ایک لاکھ
تنکے دیئے،

"و خانخانان ہمین طور .... یک لک تنکہ بہ رام داس لکھنوی کہ از کلاونتان[3]
سلیم شاہی در وادی سرود .... در یک مجلس از نقد و جنس بخشید"

خان خانان کی فیاضی کا یہ واقعہ لکھتے ہین کہ ایک مرتبہ اس نے ہاشمی قندھاری نامی شاعر کی
ایک غزل کچھ ترمیم کے بعد اپنے نام سے شائع کی، اور ہاشمی قندھاری کو اس کے عوض مین ساٹھ ہزار
اشرفیان (ٹنکہ) دیئے، اور دریافت کیا، کہ یہ رقم کافی ہے یا نہین؟ ہاشم قندھاری نے فی البدیہ لطیف
پیرایہ مین کہا ساٹھ کم ہے ؟ خان خانان نے چالیس ہزار تنکے اور دیئے،

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۹۶، [2] ایضاً ص ۱۷۰، [3] ایضاً ص ۴۲

"درین[1] سال خان خانان غزلی را که از ہاشمی قندھاری است اوکہ ساختہ بنام خود مشہور گردانید، وشصت ہزار تنکہ نقد، یاو در عوض آن حکم فرمود برسید کہ این قدر مبلغ چون است، او در بدیہہ لطیفہ گفت کہ شصت کم است خان چہل ہزار تنکہ افزودہ یک لک درست انعام داد۔"

ملا صاحب نے اس غزل کے چند اشعار بھی درج کئے ہیں،

من[2] کیستم عنان دل از دست دادہٴ	از دست دل بہ راہ غم از پا فتادہٴ
دیوانہ وار در کمر کوہ گشتہٴ	بے اختیار سر بہ بیابان نہادہٴ
گاہے چو شمع ز آتش دل در گرفتہٴ	گہ چون فتیلہ با دل آتش فتادہٴ
بیرم ز شکر اندک و بسیار فارغم	ہرگز نہ گفتہ ایم کمی یا زیادہٴ

اس قسم کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حجاز خان بدایونی نے خان خانان کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا، اور اسی کے نام سے معنون کیا، جو اس کو نہایت پسند آیا، اور اس نے حجاز خان کو ایک لاکھ تنکہ انعام دیئے، اور علاقہ سرہند میں امین کے عہدہ پر فائز کیا،

"ہمچنین[3] حجاز خان بداونی را............ در صلہ در قصیدہٴ کہ نذیل بنام خان ساختہ بود یک لک تنکہ نقد انعام دادہ او را امین تمامی سرکار سرہند ساختہ آن صوبہ نامزد گردانید۔"

ملا صاحب نے اس قصیدہ کا یہ مطلع نقل کیا ہے،

"چون[4] مہرہٴ نگین سما شد فرد بہ آب | پرکار خاتمش بہ زمین داد لعل ناب"

منتخب التواریخ کا تیسرا حصہ علمی و ادبی حیثیت سے زیادہ اہم اور دلچسپ ہے، اس میں ملا

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۴۱ [2] ایضاً ص ۴۱ [3] ایضاً ص ۴۲، [4] ایضاً،

اکبر کے زمانہ کے صرف شعرا ہی کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس وقت کے اہل قلم، اور علماء و مشائخ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے جن مشائخ کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں شیخ گہو مجذوب شیخ عبداللہ بدایونی، شیخ سلیم چشتی، شیخ ادھن جونپوری، شیخ ابوالفتح گجراتی وغیرہ، اسی جلد کے دوسرے باب میں اکبر کے وقت کے ساتھ علماء و فضلاء کے حالات لکھے ہیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

مولانا عبداللہ سلطان پوری، شیخ مبارک ناگوری، شیخ عبدالنبی صدر الصدور، شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ ابوالفتح تھانیسری اور میر فتح اللہ شیرازی، تیسرے باب میں اکبر کے زمانہ کے پندرہ حکیموں اور طبیبوں کا ذکر ہے، بعض کے نام یہ ہیں حکیم الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک دماوندی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مصری وغیرہ، چوتھے اور آخری باب میں اس زمانہ کے بہت سے شعراء کا ذکر ہے، ان میں چند بڑے اور اہم شعراء کے نام یہ ہیں، غزالی مشہدی، فیضی، ملک قمی، ظہوری، نظیری، عرفی اور خان خانان وغیرہ، ملا صاحب نے شعراء کے تذکرہ میں میر علاء الدولہ کے تذکرہ نفائس المآثر سے زیادہ مدد لی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"ذکر[1] شعرائے عصر اکبر شاہی کہ در نفایس المآثر مذکور ند کہ ماخذ این عجالہ و مشہور بہ تذکرہٴ میر علاء الدولہ است......"

ان میں بیشتر شعراء سے ملا صاحب ذاتی واقفیت رکھتے تھے، اور ان کی صحبت میں رہ چکے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

"فقیر[2] با ایشان صحبت داشتہ یا از دور و نزدیک دیدہ و یا بر تبہ اشتہار رسیدہ اند"

اس لئے اُن کی کتاب میں اس وقت کے شعراء کے متعلق بہت سے مفید اور صحیح معلومات ملتے رہے، اس تذکرہ کی ابتدا غزالی مشہدی سے کی ہے، اور لکھا ہے کہ غزالی عراق سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوا، وہ شیعہ تھا، اس لئے وہاں کے لوگوں نے اُسے مار ڈالنے کا قصد کیا تھا، پہلے وہ دکن میں

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۰۰، [2] ایضاً

پناہ گزین ہوا، پھر خانزمان نے ہزار روپیہ بھیج کر اُسے بلوالیا، یہ پر از معمہ قطعہ بھی اُس نے غزالی کے لئے بھیجا تھا، قطعہ :-

اے غزالی بحق شاہ نجف ‏ ‏ کہ سوے بندگان بیچون آئی

چونکہ بے قدر بودہ آنجا ‏ ‏ سر خود را بگیر بیرون آئی

غزالی کچھ دنوں تک خانزمان کی خدمت میں رہا، اور اس کے بعد اکبر کے دربار میں داخل ہوگیا، اور ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوا، ملا صاحب لکھتے ہیں،

"چند سال پیش خانِ زمان بود و بعد ازان بملازمت پادشاہی رسیدہ خطاب ملک الشعرائی یافت"

غزالی صاحب دیوان و مثنوی تھا، اُس کے کُل اشعار کی تعداد چالیس یا پچاس ہزار ہے،

"چند دیوان و کتاب مثنوی دارد، میگویند کہ او صاحب چہل پنجاہ ہزار بیت است"

صاحب طبقات نے غزالی کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے،

"کلیات او قریب صد ہزار بیت میگویند،"

ملا صاحب کی رائے میں اس کا کلام گو اعلیٰ پایہ کا نہ تھا تاہم ہمعصر شعراء کے کلام سے بہتر تھا، اور اس کے کلام میں تصوف کا رنگ ہے،

"اگرچہ سخن او رتبۂ عالی چندان ندارد، اما در کمیت و کیفیت اشعار او زیادہ از ہمہ اقران است و بزبان تصوف مناسبت تمام دارد"

جمعہ ۲۷ رجب ۹۸۰ھ کو احمد آباد میں مشہدی نے یکایک انتقال کیا، اکبر کے حکم کے مطابق اسے سرخیز میں دفن کیا گیا، جو بیشمار مشہور سلاطین و اولیاء کا مدفن ہے،

۱۳ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۷۰ ۱۴ طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۸۴ ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ بدایونی ج ۳ ص ۱۷۰

"وفاتش در احمد آباد واقع شد و بندگان بادشاہی حکم فرمودند تا در سرکھیج کہ مقبرۂ مشائخ کبار و سلاطین سالفہ است دفن کردند"

ملا صاحب نے مشہدی کے ایک قصیدے کا مطلع درج کیا ہے جس میں اس نے ایک سے سو تک کے عدد استعمال کئے ہیں،

"در قصیدۂ سیاق العدد از یک تا صد نوشتہ و این مطلع از وست" مطلع

بیک سخن زدو لعلت سہ فیض یافتہ مسیحا ‏ ‏ حیات باقی و نطق فصیح و نشأۂ احیا

ملا صاحب نے اس دور کے مشہور شاعر قاسم کاہی کا بھی تذکرہ کیا، اور اس کے کلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ پختہ نہیں ہے، اور اس نے دوسروں کے خیالات کو دہرایا ہے، مگر اس کے کلام میں ایک ترتیب ہے، قاسم کاہی کو علم تفسیر و تہیات اور تصوف میں بھی درک رکھتا تھا، اور علم موسیقی میں اس کی ایک تصنیف بھی ہے،:-

"از علم تفسیر و تہیات و کلام و تصوف او را بہرۂ تمام بود، و در علم موسیقی تصنیف دارد"

چونکہ ماہر موسیقی تھا اس لئے اپنی بیشتر غزلوں کو ساز کے ساتھ گاتا تھا، ملا صاحب نے بعض غزلوں کے مطلعے بھی درج کئے ہیں،

"و این ہر دو غزل را صوتے خوب بستہ کہ در عالم شہرۂ یافتہ مطلع

مرغ تا بر فرق مجنون پرزدن انگیز کرد ‏ ‏ آتش سودای لیلی بر سراد تیز کرد

چون ز عکس عارضش آئینہ پر گل شود ‏ ‏ گرد ران آئینۂ طوطی بنگرد بلبل شود

قاسم کاہی نے بوستان سعدی کے جواب میں ایک مثنوی بنام گل افشان لکھی تھی، جس کا مطلع یہ ہے :-

۱ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۷۱ ۲ ایضاً ص ۲۷۲، ۳ ایضاً حصہ سوم ص ۱۷۲ و ۱۷۳ ۴ ایضاً ص ۱۷۳ ۵ ایضاً ص ۱۷۴

"گل افشان[1] نام مثنوی در جواب بوستان گفتہ و مطلعش اینست:

جہان آفرین را بجان آفرین | بجان آفرین صد جہان آفرین

قاسم کاہی نے ایک قصیدہ اصطرلاب پر لکھا ہے، جس میں اُس نے ہمایون کی تعریف کی تھی،[2] ایک مرتبہ خواجہ معظم خان باوجود پاؤن کے درد کے خیرآباد سے قاسم کاہی کی عیادت کے لئے گئے تو اُس نے فی البدیہہ ایک غزل کہہ کر اسے ساز پر سنایا، دو شعر یہ ہیں:-

ماندی[3] قدم ز ناز بروی نیاز من | دردی مباد پای ترا سرو ناز من

ہر چند وصف وصل تو کردم شب فراق | کوتہ نگشت قصۂ دُرد دراز من

ایک مرتبہ قاسم کی موت کی افواہ ہر طرف پھیل گئی، غزالی نے ایک قطعہ لکھ کر اس کی تاریخ وفات نکالی،

رفت[4] بیچارہ کاہی از دنیا | سال تاریخ او اگر خواہی

چون بناچار رفت شد ناچار | از جہان رفت قاسم کاہی

شعراء کے تذکرہ میں بیرم خان خانان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ بیرم خان فیاض، ایماندار، حلیم الطبع اور ملنسار تھا، ابتدا میں وہ بابر کی خدمت میں رہا، پھر ہمایون کی خدمت میں، ہمایون نے اسے خان خانان کا خطاب دیا، اور اکبر اسے بابام کہتا تھا،

"وہ[5] وسعا بملازمت ہمایون بادشاہ نشو و نما یافت و بخطاب خان خانانی سرافرازی یافت و بندگان بادشاہی در اتقاقش بابام افزودند"

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اسی کی جد و جہد سے ہندوستان دوبارہ فتح ہوا، اور اس کی ادب نوازی اور فیاضی کا حال سنکر دور دور کے اہل قلم اس کے پاس جمع ہوکر فیضیاب ہوتے، لیکن آخر میں اکبر

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۷۴، [2] ایضاً ص ۱۷۵، [3] ایضاً ص ۱۷۵، [4] ایضاً ص ۱۷۶، [5] ایضاً ص ۱۹۰

اس سے ناراض ہوگیا،

"بیمن[1] سعی و جلادت و حسن تدبیر او ہندوستان در مرتبۂ ثانی ہم فتح شد و ہم تعمیر یافت فضلائے جہان از اطراف و اکناف ربع مسکون بدرگاہ او آوردہ از کف بحر مثالش شاداب میرفتند و بارگاہ آسمان جاہش قبلۂ ارباب فضل و کمال بود ...... آخر حال ارباب نفاق مزاج بندگان بادشاہی را با او متغیر ساختند"

وہ فارسی اور ترکی دونوں میں شعر کہتا تھا، اور ان دونوں زبانوں میں اُس نے دیوان ترتیب دیا تھا، ملا صاحب نے اس کی یہ رباعی نقل کی ہے،

ارباب[2] فنا بلند و پست ایشانند | وز جام بقا مدام مست ایشانند

در معرض نیستی است ہر چیز کہ ہست | میدان بیقین کہ ہر چہ ہست ایشانند

بیرم خان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کا مطلع یہ تھا:-

شہی[3] کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او | اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

اصطرلاب پر جو قصیدہ لکھا تھا، اس کے چند اشعار ملا صاحب نے درج کئے ہیں[4]، بیرم خان کا ایک دلچسپ قصہ یہ نقل کیا ہے، ایک رات کو ہمایون بیرم خان سے باتیں کر رہا تھا کہ بیرم خان پر غنودگی طاری ہوگئی، ہمایون نے کہا بیرم میں تجھ سے بات کر رہا ہوں، بیرم خان نے جواب دیا جی میں حاضر ہوں، اور[5] یہ لطیفہ عرض کیا کہ بادشاہوں، درویشوں اور عالموں کی خدمت میں تین چیزوں کی حفاظت ضروری ہے، بادشاہ کی خدمت میں حفاظت چشم، درویشوں کی خدمت میں حفاظت دل اور علماء کی خدمت میں حفظ زبان، میں اس فکر میں ہوں کہ ان میں سے کسی چیز پر نگاہ رکھوں، کیونکہ حضور (ہمایون) بیک وقت بادشاہ بھی ہیں، درویش بھی ہیں، اور عالم بھی، ہمایون کو یہ جواب بہت پسند آیا،

[1] معارف نمبر ا جلد حصہ سوم ص ۱۹۰، [2] ایضاً حصہ سوم ص ۱۹۰، [3] ایضاً ص ۱۹۱، [4] ایضاً،

"میگویند شبے ہمایون بادشاہ مخاطبہ با بیرم خان داشتند و در ابظاہر غنودگی دست داد[1]، بادشاہ بہ تنبیہ فرمودند کہ ہان بیرم خان با تو می گویم گفت بلے بادشاہم حاضرم، اما چون شنیدہ ام کہ در ملازمت پادشاہان محافظت چشم و پیش درویشان نگاہ داشت دل و نزد عالمان حفظ زبان باید کرد، بنابران درین فکر بودم کہ چون حضرت ہم پادشاہ و ہم درویش و ہم عالمند، کدام کدام را نگاہ توانم داشت، پادشاہ مغفرت پناہ را این ادا از و خوش آمد وتحسین فرمودند"

ملا صاحب عرفی کے حالات بڑی تفصیل سے لکھتے ہین، عرفی جب پہلے پہل ہندوستان مین آیا، تو فیضی کے یہان ٹھہرا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان مین ناچاقی ہوگئی، جس کا ذمہ دار ملا صاحب نے فیضی کو قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہین کہ فیضی حسب عادت ایک ہفتہ سے زیادہ کسی کی دوستی کا قائل نہ تھا،

"واخر بنابر وضع قدیم شیخ کہ بہر کس ہفتہ دوست بود، درمیانہ شکر آبہا افتاد"[2]

فیضی کے یہان سے نکلنے کے بعد عرفی حکیم ابوالفتح کے یہان چلا گیا، اور اس کی وساطت سے خان خانان کی خدمت مین رسائی حاصل کی، جہان اس کی شاعری نے ترقی کی،

"وازانجا بتقریب سفارش حکیم بخان خانان مرتبط شد در وز بروز او را ہم در شعر و ہم در اعتبار ترقی عظیم روے داد"[3]

ملا صاحب نے عرفی اور فیضی کا دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن عرفی فیضی کے مکان پر گیا، دیکھا کہ فیضی کتے کے ایک پلے کو لاڈ پیار کر رہا تھا، پوچھا مخدوم زادہ کا کیا نام ہے، شیخ فیضی نے جواب دیا عرفی، عرفی نے ترکی بہ ترکی یہ جواب دیا کہ مبارک باشد، مبارک فیضی کے باپ کا نام تھا، اس نے فیضی بہت برہم ہوا، عرفی کے متعلق لکھتے ہین کہ وہ بہت مغرور تھا، اور اپنی شاعری پر اسکو بڑا ناز تھا

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۹۲، [2] ایضاً ص ۲۸۵ [3] ایضاً ص ۲۸۵،

"جوانی بود صاحب فطرت عالی و فہم درست و اقسام شعر نیکو گفتی، اما از بس عجب و نخوت کہ پیدا کرد، از دلہا افتاد"[1]

اس زمانہ مین عرفی اور حسین ثنائی کے دیوان بہت تھے، اور ہر جگہ ملتے تھے، ہندوستانی اور عراقی دونون انھین تبرکاً خریدتے تھے،

"او و حسین ثنائی از شعر عجب طالعے دارند کہ ہیچ کوچہ و بازارے نیست کہ کتاب فروشان دیوان این دو کس را در سر راہ گرفتہ نایستند، و عراقیان و ہندوستانیان نیز بہ تبرک می خرند"[2]

ملا صاحب لکھتے ہین کہ عرفی کا ایک دیوان بھی ہے، اور اس نے مخزن الاسرار کی بحر مین ایک مثنوی بھی لکھی،

"دیوان اشعار و مثنوی دارد در بحر مخزن اسرار کہ مشہور آفاق است"[3]

ملک الشعراء فیضی کا تذکرہ بہت مفصل ہے، ملا صاحب نے اس کی تعریف بھی کی ہے، اور مذمت بھی، مذمت اس لئے کی ہے کہ بقول ملا صاحب وہ مذہب کے معاملہ مین بھی وسیع المشرب تھا، ملا صاحب نے فیضی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے نہایت معتبر صحیح اور مفید ہے، لکھتے ہین کہ فیضی کو شعر و معما و عروض و قافیہ، تاریخ و لغت و طب و انشا، سب مین مہارت حاصل تھی، ابتدا مین فیضی تخلص کرتا تھا، پھر اپنے بھائی کے خطاب علامی کے وزن پر فیاضی تخلص اختیار کیا، لیکن یہ نیا تخلص ساز گار نہین آیا، اور اس کے ایک ہی دو ماہ کے بعد انتقال کر گیا،

"در اوائل تخلص مشہور شعر می گفت و در اواخر بتقریب خطاب برادر خرد کہ او را علامی می نوشتند بجہت علو شان دران وزن تخلص فیاضی اختیار نمود، و ساز گار نیامد و بعد از یک دو ماہ رخت"[4]

[1] و [2] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۲۸۵ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۲۹۹،

حیات از عالم بربستہ ......"[۵۱]

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ فیضی اسلام سے منحرف تھا اور صحابۂ کرام اور تابعین وغیرہ کی مخالفت کرتا تھا، اس لئے دوسرے مذہب کے لوگ مثلاً ہندو، یہودی، نصاریٰ وغیرہ اس کی بڑی عزت کرتے تھے،[۵۲] آخر میں اس بدنامی کو دور کرنے کے لئے اس نے ایک بے نقط تفسیر لکھی، جس کے متعلق ملا صاحب کا بیان ہے کہ مستی اور جنابت کے حال میں لکھی اور اسے اس کے کتے روندتے تھے،

"و تفسیر بے نقط برائے شستن بدنامی .... در عین حالت مستی و جنابت می نوشت و سگان آنرا از ہر طرف پائمال ساختند"

ملا صاحب کے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، چونکہ وہ فیضی کے خلاف تھے، اس لئے اس مخالفت میں یہ باتیں لکھ دیں، ورنہ یہ چیز بیرون از قیاس ہے، ملا صاحب ایک قدم اور بڑھکر لکھتے ہیں کہ اسکی وجہ سے مرتے وقت فیضی کے منہ سے کتون جیسی آواز نکلتی تھی، یہ خود اکبر کا جو اُن کی عیادت کو گیا تھا بیان ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا اور اس پر ورم آگیا تھا،[۵۳] ملا صاحب نے فیضی کی تاریخ وفات میں بھی اس مخالفت کا ثبوت دیا ہے، اور نہایت نامناسب تاریخیں کہی ہیں، مثلاً

فیضی[۵۴] بے دین چو مرد سال وفاتش فصیح گفت سگے از جہان رفتہ بحال قبیح

سال[۵۵] تاریخ فیضی مردار شد مقرر بچار مذہب نار

فیضی[۵۶] نحس دشمن نبوی رفت و با خویش داغ لعنت برد

سگکی بود دوزخی زان شد سال فوتش چہ سگ پرستی مرد

فیضی کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ گو اُس نے چالیس سال تک شاعری کی، مگر سب فضول اس کی شاعری استخوان بے مغز اس کا کلام شطحیات و فخریات اور کفریات سے پر اور ذوق عشق

[۵۱] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۲۹۹ [۵۲] ایضاً ص ۳۰۰ [۵۳] ایضاً ص ۳۰۰ [۵۴-۵۵] ایضاً [۵۶] ایضاً ص ۳۰۱

حقیقت و معرفت سے خالی ہے:-

"و مدت[۵۷] چہل سال درست شعر گفت اما ہمہ نادرست، استخوان بندی او خوب اما بے مغز، مصالح شعر او سراپا بے مزہ، سلیقہ او ور داوی شطحیات و فخریات و کفریات معروف اما از ذوق عشق حقیقت و معرفت و چاشنی درد خالی"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اس کے دیوان اور مثنوی کے اشعار کی تعداد بیس ہزار ہے، لیکن لوگ اس کے اشعار کو نہیں پڑھتے، فیضی نے بے شمار روپیہ خرچ کرکے اپنے کلام کو شائع کیا، اور اس کے نسخے دوست احباب کو دور دراز ممالک میں بھیجے، لیکن انھون نے ایک بار پڑھنے کے بعد دوبارہ اسے نہیں پڑھا،

"و[۵۸] غریب تر اینکہ نزہائے گلی کلفی جاگیر در باب الکا ذیب باطلہ صرف نمودہ و نویسانیدہ بآشنایان دور و نزدیک فرستاد و ہیچ کس کہ دو بارہ در دست گرفت"

ملا صاحب نے فیضی کے ایک فخریہ قصیدہ کا یہ مطلع نقل کیا ہے،

شکر[۵۹] خدا کہ عشق بتان است رہبرم
در ملت برہمن و در دین آذرم

ملا صاحب بجائے اس کے کہ فیضی کے احسان مند ہوتے، انھون نے اس کی اتنی مذمت کی، انھون نے خود اپنی کتاب میں اقرار کیا ہے کہ جب اکبر ان سے ناراض ہو گیا اور ان کی ملازمت جاتی رہی، تو فیضی ہی کے سفارشی خط سے دوبارہ ملازمت ملی، اُن کے لئے مناسب طریقہ یہ تھا کہ وہ فیضی کے بارہ میں خاموش رہتے، مگر وہ لکھتے ہیں کہ دین کی حفاظت کی خاطر انھون نے اُس کی مخالفت و مذمت کی ہے،

"اگر کسے گوید کہ از جانب او چندین خواہش و چندین اخلاص بود، در برابر آن این ہمہ مذمت و شتی کدام آئین مروت و وفاست .... گوئیم این ہمہ راست اما چہ توان کرد کہ حق دین

[۵۷] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۱ [۵۸] ایضاً [۵۹] ایضاً ص ۳۰۲

"دخفظ عہد آن بالا تراز ہمہ حقوق است[۱]"

فیضی کے کتب خانہ میں چار ہزار چھ سو کتابیں تھیں، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اسکے بیشتر نسخے مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، اور بعض انہی کے زمانہ کے تھے،

"از جملہ متروکہ وے چہار ہزار و ششصد کتب مجلد نفیس صحیح کہ بطریق مبالغہ توان گفت کہ اکثر بخط مصنفان یا در زمان او نوشتہ شدہ باشد[۲]"

فیضی کی وفات کے بعد یہ تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں، اور اکبر کے حکم سے ان ہی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا، پہلے میں نظم و طب و نجوم و موسیقی کی کتابیں تھیں، دوسرے میں حکمت و تصوف و ہیئات و ہندسہ کی، اور تیسرے میں تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ مذہبی علوم کی[۳]،

فیضی کی تصنیف کی کل تعداد ایک سو ایک ہے، جن میں نل دمن بہت ممتاز ہے، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ فیضی نے مرنے سے پہلے دوستوں کے کہنے سے نعت اور معراج کے متعلق اشعار لکھے،

"نزدیک بموت بمبالغہ و الحاح بعضے آشنایان چند و نعت و معراج حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ درج کرد[۴]" (باقی)

۱؎ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۵ ۲؎ ایضاً حصہ سوم ص ۳۰۵ ۳؎ ایضاً ۳۰۵ و ۳۰۶ ۴؎ ایضاً ۳۰۶،

جنایات بوجہ غفلت

نواں باب: امور متعلق بہ ثبوت

چوتھی فصل: علم اور رضامندی میں فرق

از

ڈاکٹر غوث محمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،

(۵)

گزشتہ فصل میں اس اصول کی صراحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس مضرت کی شکایت نہیں کر سکتا جس پر وہ خود رضامند ہوا ہو، اس اصول کے سلسلہ میں دو ایک امور پر علحدہ فصل میں غور کرنا مناسب معلوم ہوا،

رضامندی کا اظہار واضح ہو کہ کسی خطرہ کا محض علم اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کے برداشت کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا گیا ہے، رضامندی اسی صورت میں متصور ہوگی جب صراحتہً یا معنی اس امر کا اظہار کیا گیا ہو کہ خطرہ پیدا کیا جائے[۱]،

علم کو صرف رضامندی کے ثبوت میں پیش کیا جا سکے گا، اس سے زیادہ کچھ نہیں[۲]،

اس اصول کا استثناء اسی سلسلہ میں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ خطرہ کے علم سے مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مدعی کو نالش میں رکاوٹ ہوگی،

۱ - علم سے مدعی علیہ کی کسی غفلت کے وجود کی نفی ہو سکے گی،

۱؎ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۵۹۵ شتہ ۱۹۲۶ء ۲؎ ایضاً ص ۵۹۵ و ۶۰۰،

۲۔ علم سے یہ بات قرار پا سکے گی، کہ مدعی سے امادی غفلت کا وقوع ہوا ہے[1]،

علم سے مدعی کا علم مراد ہے،

فقہ کی چند مثالیں اس مسئلہ میں اسلامی فقہاء نے جو امور متعین کئے ہیں، اُن کے سلسلہ میں پہلے چند مثالوں کو بیان کرنا مناسب ہوگا،

۱۔ ایک شخص نے ایک پکھال پانی خریدا، اور اونٹ کے مالک سے کہا کہ اونٹ مکان کے اندر لایا جائے، جب شتربان اونٹ اندر لایا، تو اونٹ کھانے کے برتنوں پر گر پڑا، جس سے کھانے کا نقصان ہوا، اس صورت میں اونٹ کے مالک پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی کیونکہ شتربان نے مالک مکان کے کہنے سے اونٹ کھینچا تھا[2]،

۲۔ ایک شخص نے وزن کرنے والے کو کسی چیز سے تولنے پر مقرر کیا، لیکن ترازو میں کوئی عیب تھا، اسلئے تولنے میں ترازو ٹوٹ گئی، اس عیب کا علم متاجر کو نہیں تھا، اس صورت میں یہ قرار دیا گیا، کہ اگر اس قسم کی وزنی شے اس قسم کی ترازو میں اس عیب کے ساتھ تولی جاتی ہو تو کوئی ذمہ داری نہ ہوگی[3]،

۳۔ ایک شخص نے راستہ میں باولی کھودی، ایک ناواقف شخص اس میں گر کر مر گیا تو باولی کھودنے والے شخص پر ذمہ داری عائد کی جائے گی، لیکن اگر راستہ چلنے والا شخص اس باولی سے واقف تھا، تو پھر کوئی ذمہ داری نہ عائد ہوگی، کیونکہ جنایت باولی کھودنے والے سے صادر ہوئی، یہ جنایت دوسرے شخص سے اس وقت منسوب ہوگی، جب اس سے تعدی کا صدور ہو، اس لئے اگر گرنے والے شخص کو باولی کے موجود ہونے کا علم نہ ہو تو تعدی کا صدور کھودنے والے کی جانب منسوب ہوگا، اور یہ مانا جائے گا، کہ جنایت پہلے اسی شخص سے وقوع میں آئی[4]،

۴۔ ایک شخص نے اپنا بچہ تیرنا سکھانے والے کے سپرد کیا، اور بچہ ڈوب گیا، تو تیرنا سکھانے والے پر ذمہ داری عائد ہوگی، کیونکہ بچہ اس لئے اس کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ اس کی حفاظت کا بھی اہتمام

[1] سامنڈ لاآف ٹارٹس ص ۱۹۲۸ء [2] قاضی خان فتاویٰ جلد ۳ ص [3] ایضاً ص ۳،، جلد ۳ [4] قاضی خان فتاویٰ ص ۱۰۷ جلد ۳

کرے گا، اور اس کی حفاظت کے لئے اہتمام عمل میں لائے گا، اس لئے اگر بچہ ڈوب جائے تو یہ قرار دیا جائیگا کہ اس کی حفاظت میں قصور ہوا، لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ تیرنا سکھانے والے پر ذمہ داری عائد نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس نے عادۃً جو امور جاری ہیں اُن پر عمل کیا، اور ایسی صورت میں اگر کوئی اتلاف واقع ہو جائے تو ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اگر کوئی بڑا آدمی غرق ہو جائے تو تیرنا سکھانے والے پر کوئی جوابدہی نہ ہوگی تاآنکہ کوئی کوتاہی عمل میں آئی ہو[1]،

ان مثالوں میں یہ دیکھنا ہے کہ خطرہ کا علم ہونے کے باوجود خطرہ ثابت کرنے کے لئے کوئی رضامندی صراحۃً یا معنیً ظاہر ہوتی یا نہیں،

پہلی مثال میں جب اونٹ کے مالک سے اونٹ کو مکان کے اندر لانے کو کہا گیا، تو گویا خطرہ کے برداشت کرنے کی رضامندی کا اظہار کر دیا گیا، دوسری صورت میں چونکہ خطرہ کا علم ہی نہیں تھا، اس لئے رضامندی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تیسری صورت میں بھی چونکہ باولی میں گرنے والے کو علم نہیں تھا، اس لئے وہاں بھی رضامندی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، البتہ باولی کھودنے والے نے باولی کھود کر اس کے نتائج کی ذمہ داری معناً اپنے اوپر لے لی، جب کسی شخص نے اسی طرح تیرنا سکھانے کے لئے اپنا بچہ کسی دوسرے شخص کے سپرد کیا تو گویا اس نے تیرنا سکھانے کے خطرات پر معنیً رضامندی ظاہر کر دی،

اسلامی فقہ کا قاعدہ متذکرۂ صدر مثالوں سے یہ بات متعین ہوئی کہ خطرہ برداشت کرنے کی رضامندی کا اظہار ضروری ہے، صرف خطرہ کے علم سے ذمہ داری کا تعین نہیں ہو سکتا،

یہاں اس امر کی بھی تصریح ضروری ہے کہ گو فقہاء کو عام طور سے متذکرۂ بالا اصول میں کوئی عام اہم اختلاف نہیں ہے لیکن بعض پیشہ وروں کے عمل یا کام کی حد تک انھوں نے یہ اختلاف ضرور کیا ہے کہ اُن کا عمل یا کام ذمہ داری پیدا کرتا ہے یا نہیں، مثلاً اجیر مشترک کے عمل سے کوئی اتلاف وقوع میں آئے

[1] موفق الدین ابن قدامہ المغنی ص ۵،، جلد ۹،

جیسے دھوبی سے اس کے کام کے دوران میں کپڑا پھٹ جائے، تو فقہائے احناف کے نزدیک اس پر ذمہ داری عائد ہو جائے گی لیکن امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، انکی دلیل یہ ہے کہ شے کے مالک نے جس چیز کی خواہش کی وہ عمل تھا اور اس میں اچھائی اور برائی دونوں شامل ہیں حنفی علماء نے یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع کیا ہے کہ

"الداخل تحت الاذن ماھو الداخل تحت العقد"

اور وہ عمل صالح ہے کیونکہ وہی اثر کی جانب[۱] وسیلہ ہو، وہی دراصل معقود علیہ ہے، پس ایسا عمل جس میں خرابی ظاہر ہوئی ہو، وہ عمل نہیں ہے، جس کی خواہش کی گئی یا جس کی اجازت دی گئی تھی،[۲]

حاصل اختلاف اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک شے کے مالک نے گویا خطرہ برداشت کرنے کے لئے اپنی رضامندی کا معنیً اظہار کر دیا لیکن فقہائے احناف کے نزدیک نفس معاہدہ ہی اس طرح سے منعقد ہوا تھا کہ اگر کام میں خرابی پیدا ہو تو ذمہ داری عائد ہو جائے گی،

بہرحال اس سے اصل مسئلہ پر کہ خطرہ برداشت کرنے پر صراحۃً یا معنیً رضامندی کا اظہار ضروری ہے، کوئی اثر نہیں پڑتا، حنفی فقہاء نے جو ذمہ داری عائد کی ہے، وہ ایک علٰحدہ معاہداتی اصول کی بنا پر ہے، نہ کہ اس لئے کہ خطرۂ علم سے اغماض کیا گیا، یا اس عمل کے اتفاقی یا غیر امکانی خطرات برداشت کرنے پر معنیً کوئی رضامندی ظاہر نہیں کی گئی، چنانچہ جن صورتوں میں خود متاخرین فقہائے احناف نے ذمہ داری سے جو برأت دی ہے، وہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگی،

۱۔ کسی حمال کا پاؤں راستہ چلتے ہوئے لڑکھڑا گیا، جس کی وجہ سے حمال جو سامان اٹھائے ہوئے تھا، وہ گر پڑا اور تلف ہو گیا، اگر یہ لغزش لوگوں کی مزاحمت کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو حمال پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، اور اگر خود حمال کی اپنی لغزش سے سامان تلف ہوا ہو، تو وہ ذمہ دار ہوگا، کیونکہ اس صورت میں حمال سے چلنے میں احتیاط کا ترک واقع ہوا،[۳]

۱۔ اثر سے مراد عامل کے فعل کی حاصل شدہ شئے ہے ۲۔ المرغینانی، الھدایہ ص ۲۹۰ جلد آخرین ۳۔ الھدایہ ص ۲۹۳ جلد آخرین تعلیق نمبر ۲

۲۔ اگر کوئی کشتی سمندر کی موج یا ہوا سے غرق ہو جائے، تو ملاح پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی،[۱]

دسواں باب

مدعی کن وجوہ کی بنا پر ہرجانہ وصول کرنے سے محروم ہو جاتا ہے؟

پہلی فصل : عام اصول،

ایک بنیادی اصول احتیاط برتنے کے فرض پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ قانون جنایات کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی فعل یا قول سے دوسرے شخص کو ضرر نہ پہنچائے،

"To hurt nobody. word or deed"[۲] یہ گویا ترجمہ ہے حضرت شارع علیہ السلام کے اس قول کا کہ

"المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ"[۳]

قانون انگلستان کی رو سے اگر حقوق کی خلاف ورزی وقوع میں آئے، تو "لا آف ٹارٹس" کے مطابق رقمی معاوضہ کی نالش دائر ہو سکے گی، یہ اصول بھی اسلامی فقہ کی رو سے غیر مسلّم نہیں ہے، علامہ مرغینانی نے لکھا ہے کہ جنایت خطا کا موجب مال ہوتا ہے،[۴]

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ ضرر رسانی کی ایسی بعض صورتیں بھی ہیں جن میں قانون کی رو سے کسی مواخذہ کا کوئی موقع حاصل نہیں ہوتا، اور اس بارے میں ایک لاطینی مقولہ پر عمل ہوتا ہے کہ

۱۔ الھدایہ ص ۲۹۲ جلد آخرین تعلیق نمبر ۲ ۲۔ سامنڈ "لا آف ٹارٹس" ص ۸، ۱۹۲۸ء ۳۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان باب ای الاسلام افضل ۴۔ الھدایہ ص ۲۳۲ جلد آخرین،

نقصان تو ہو لیکن دعوی کا حق نہ ہو Damnum sine injuria جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت نقصان تو عائد ہوتا ہے لیکن دعوی کا حق پیدا نہیں ہوتا،

ارباب قانون نے اس استثناء کی جو صورتیں قرار دی ہیں اُن کا حصر مشکل ہے، مثلاً چند صورتیں یہ ہو سکتی ہیں،

۱۔ ہو سکتا ہے کہ کسی فرد واحد کو جو نقصان پہنچا ہو، بڑی حد تک اُس کی تلافی اس منفعت سے ہو جائے، جو عامۃ الناس کو بالعموم حاصل ہوتی ہے، مثلاً تجارت میں رقابت سے ممکن ہے کسی خاص تاجر کو نقصان پہنچے لیکن اس سے علی العموم جو فائدہ عوام کو حاصل ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں شخصی مضرت پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی ہے[1]

اسلامی فقہا کے نزدیک بھی سوسائٹی کے عام فائدہ کے لئے بعض وقت کسی اتلاف کو جس سے شخصی ضرر ہو، انگیز کرنا ضروری ہوتا ہے، علامہ عز الدین بن عبد السلام نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں یہ کہ

(۱) اتلاف بغرض اصلاح اجساد و حفظ نفوس،

(۲) اتلاف بغرض دفع مفسدہ[2]،

اس کا اصول یہ ہے کہ

"یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام[3]"

یعنی عام ضرر کے دور کرنے کے لئے شخصی یا خاص ضرر برداشت کیا جائے، علامۃ المرغینانی نے یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

---

[1] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۰ ، ۱۹۲۸ء ، [2] اصول الاحکام ص ۸۳ جلد ۲ [3] مجلۃ الاحکام مادہ ۲۶

مادہ ۲۶،

"کم من ضرر خاص یتحمل لدفع العام منہ[1]"

انھوں نے یہ صراحت بھی کی ہو کہ

دفع الضرر العام من الواجب[2] یعنی عام ضرر کا روکنا ضروری ہے،

یہ بھی فقہا کا عام اصول ہے کہ الضرر لایکون قدیما[3] اور یہ کہ "الضرر یزال[4]" ضرر کا ازالہ ضروری ہے یہ قاعدہ شارع علیہ السلام کے اس ارشاد لاضرر ولا ضرار[5] پر مبنی ہے،

ان قواعد کلیہ کے تحت دو تین مثالیں بیان کرنا بے محل نہ ہوگا،

(الف) اگر راستہ میں راہروں کو کسی چیز سے مضرت پہونچتی ہو تو اس کو دور کر دیا جائے گا، خواہ وہ شے چیز قدیم سے کیوں نہ چلی آتی ہو[6]،

(ب) ازالہ ضرر ہی کی بنا پر ضرر رسان حیوان کو مار ڈالا جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی چیز سے امراض پھیلتے ہوں تو اس کا سدباب بھی ضروری ہے، یا کسی امر سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہو، تو اس کا بھی ازالہ کیا جائے گا[7]،

(ج) اسی بنا پر جاہل طبیب کو مطب کرنے سے روک دیا جاتا ہے[8]،

ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں انفرادی طور سے کسی نہ کسی فرد کو نقصان ضرور برداشت کرنا پڑیگا لیکن معاشرہ کے مجموعی مفاد کے مدنظر انفرادی نقصان کو برداشت کرنا ضروری ہے،

۲۔ ہو سکتا ہے کہ کسی فرد کو اس وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا کہ اس کا ہمسایہ اپنی کسی جائداد میں حقوق مالکانہ کا استعمال کرتا ہو[9]، ابو محمد غانم البغدادی نے تصریح کی ہے کہ جو شخص اپنی مملوکہ کسی شے میں کوئی تصرف کرتا ہے، تو دوسرے شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس سے روکے، خواہ پہلے شخص کے تصرف سے دوسرے

---

[1] الہدایہ ص ۵۹۱ جلد ۲ آخرین [2] ایضاً [3] مجلۃ الاحکام مادہ ، [4] مجلۃ الاحکام مادہ ۲۰ ، [5] امام مالک، الموطا کتاب الاقضیۃ، القضاء فی المرفق [6] مجلۃ الاحکام مادہ ۱۲۱۴ [7] ایضاً مادہ ۲۰ ، [8] ایضاً مادہ ۲۶

[9] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۲ ، ۱۹۲۸ء

کو ضرر کیوں نہ برداشت کرنا پڑے[۱]،

۳۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے کسی فعل سے دوسرے شخص کو اس بنا پر نقصان پہونچ جائے کہ پہلا شخص کسی بڑے شر کو روکنا چاہتا ہو[۲]،

یہ اصول بھی فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف[۳]، ایک مثال سے اس اہم قاعدہ کی وضاحت ہوگی،

کوئی جہاز ڈوب رہا ہو جس کے وزن کو کم کرنے میں ڈوبنے سے بچ سکتا ہو تو بقدر ضرورت سامان سمندر میں ڈال دیا جا سکتا ہے[۴]،

اس سے خواہ مخواہ کسی نہ کسی فرد کو جو سامان کا مالک ہوگا، نقصان برداشت کرنا پڑے گا لیکن دوسرے سب اہلِ جہاز کی سلامتی کے لئے سامان سمندر میں ڈال دینا جائز ہوگا، اور کسی ہرجانہ کی ادائی لازم نہ ہوگی،

۴۔ ہو سکتا ہے کہ جو نقصان ہوا ہو، وہ اس قدر خفیف، اس قدر غیر متعین اور اس درجہ ناقابلِ ثبوت ہو کہ اس پر قانون کا اطلاق مناسب اور موثر نہ سمجھا جائے[۵]،

اس سلسلہ میں علامۃ الکرخی نے ایک عام اصول یہ بیان کیا ہے کہ حقوق اللہ میں احتیاط جائز ہے لیکن حقوق العباد میں احتیاط جائز نہیں، اس اصول کی ایک فرع یہ بیان کی ہے، کہ ضمان (ہرجانہ) جوانہ اور عدم کے مابین دائر ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ضمان عائد نہ کیا جائے، کیونکہ اصولاً ضمان شک کی بنا پر عائد نہیں ہو سکتا[۶]،

اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہوا کہ ہر نقصان کی نالش دائر نہیں کی جا سکتی،

دوسرا اہم اصول | ان امور کے سلسلہ میں ایک اور اہم اصول کا تعین ضروری ہے اور وہ یہ کہ آیا اصول یہ ہو کہ

---

۱ مجمع الضمانات ص ۱۵۲ ۲ ایضا ۳ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۹۰ ۴ مجلۃ الاحکام ۲۰، ۲۱ ۵ ایضا ۶ سامنڈ ٹارٹس ص ۹ ۱۹۲۸ء ۷ اصول الکرخی ص ۸۲،

خاطی کو اس کے پیدا کردہ ہر نقصان کا ذمہ دار قرار دے کر اس کے مستثنیات قواعد کے تحت معین کئے جائیں یا یہ کہ کسی شخص پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بجز ان صورتوں کے جہاں قانون نے طے کر دیا ہے کہ ضرر رسانی کی خاص قسمیں خلاف قانون ہیں، دوسرے الفاظ میں آیا قانونِ جنایات کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دوسروں کو ضرر پہنچانا خلاف قانون ہے بجز اس صورت کے کہ کسی خاص سبب کی بنا پر کوئی وجہ جواز موجود ہو، یا یہ کہ قانونِ جنایات چند ایسے مقررہ قواعد پر مشتمل ہے جن سے بعض ضرر رسان مشاغل کی ممانعت ہوتی ہو، اور باقی تمام مشاغل قانون ذمہ داری کے حدود سے باہر قرار دیئے گئے ہوں،

سر جان سامنڈ کا بیان ہے کہ قانونِ انگلستان میں موخر الذکر اصول تسلیم کیا گیا ہے، گو یہ صحیح ہو، مسٹر فریڈرک پولک جیسے استاذ قانون کو اس سے اختلاف ہے، اُن کی رائے میں اول الذکر اصول صحیح ہے[۱]،

اس مسئلہ میں اسلامی علمائے قانون میں بھی کافی اختلاف ہے، فقہاء کا عام مسلک یہ ہو کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ[۲]، اسی پر گویا یہ قاعدہ بھی متفرع ہے کہ الاصل عدم ما یدعیہ فلا یثبت بمجرد دعوی[۳]،

علامہ محب اللہ بہاری نے تصریح کی ہے کہ افعال میں اصول اباحت ہے، احناف اور شوافع کی اکثریت کا یہی مسلک ہے لیکن بعض لوگوں نے خطرے کو اصل قرار دیا ہے، صدر الاسلام کا قول ہے کہ اقوال میں اباحت اور نفوس میں خطر اصل ہے[۴]،

غرض یہ مسئلہ کافی تنقیح و توضیح کا محتاج ہے، اور اس میں علم کلام کے نازک مسائل بھی درمیان میں آ جاتے ہیں، اور اشیاء کے حسن و قبح کی پیچیدہ اصولی بحث پیدا ہو جاتی ہے، جس پر ایک علحدہ مضمون میں روشنی ڈالی جا سکتی ہے،

---

۱ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۹ ۱۹۲۸ء ۲ قاضی خان، فتاوی ص ۲۷۲ جلد ۴ ۳ موفق الدین ابن قدامۃ المغنی ص ۲۲۶ جلد ۹ ۴ مسلم الثبوت ص ۲۹، مطبوعہ قاہرہ

بہرحال اس سے یہ امر متعین ہوگیا کہ بعض صورتیں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مدعی ہرجانہ حاصل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے، سرجان سامنڈ نے اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں،

۱ - یہ کہ مدعیٰ علیہ کا فعل خلافِ قانون نہ ہو،

۲ - یہ کہ مدعیٰ علیہ نے جس حق کی خلاف ورزی کی، اس کے متعلق مدعی کو کوئی استحقاق حاصل نہیں تھا،

۳ - یہ کہ جو مضرت مدعی کو پہونچی، وہ ان مضرتوں میں شامل نہ ہو، جن کو قانون تسلیم کرتا ہو،

۴ - یہ کہ جس طریقہ سے مضرت پہونچائی گئی، اس کو قانون ذمہ داری عائد کرنے کے لئے کافی خیال نہ کرتا ہو،

ان چاروں صورتوں پر علیحدہ علیحدہ فصل میں روشنی ڈالی جائے گی۔

دوسری فصل کا خلاصہ

مدعا علیہ کے فعل کا خلافِ قانون نہ ہونا

انگلستان کے قانون کی رو سے اگر مدعیٰ علیہ کا فعل خلافِ قانون نہ ہو، تو پھر اس صورت میں مدعی اپنے کسی نقصان کی بنا پر مدعیٰ علیہ سے کوئی ہرجانہ وصول نہیں کر سکتا،

مثلاً کوئی شخص زیرِ زمین پانی سے استفادہ کرے، اور اس کی وجہ سے کسی کو مضرت پہونچے تو فریقِ ثانی شخص کسی ہرجانہ کا مستحق نہیں ہوگا[۱]،

اس اصول کو اسلامی فقہا نے بھی تسلیم کیا ہے، علامہ سرخسی نے ایک عام اصول یہ بیان کیا ہے کہ اپنی ملک میں کسی شے کا احداث تعدی نہیں ہے[۲]،

یہ قاعدہ اس عام قاعدہ کلیہ پر متفرع ہے کہ "الجواز الشرعی ینافی الضمان"[۳]

۱؎ سامنڈ آن ٹارٹس ص ۱۴، ۱۹۲۶ء ۲؎ المبسوط خاص، جلد ۲۷ ۳؎ مجلۃ الاحکام مادہ ۹۱،

یعنی جس کام میں شریعت کے رو سے جواز ہو تو اس فعل کے وقوع میں لانے سے ہرجانہ ادا کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی،

مثلاً کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین گڑھا کھودے اور اس میں کسی دوسرے شخص کا چوپایہ گر کر ہلاک ہو جائے تو اس کی وجہ سے صاحبِ زمین پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی،

تیسری فصل

مدعیٰ علیہ کے فعل کا مدعی کے حق کے خلاف نہ ہونا

قانونِ انگلستان کی رو سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاطی سے جس حق کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہے اس سے مدعی کے کسی حق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، اس لئے مدعی کسی ہرجانہ کے وصول کرنے کا مستحق نہیں ہوتا، گو اس صورت میں مضرت رسانی وقوع میں آتی ہے، اور مضرت ایسی بھی ہوتی ہے لیکن یہ مضرت مدعی کو نہیں پہنچتی،

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حق کی خلاف ورزی ایک شخص کے مقابلہ میں ہوتی ہے، اور مضرت خلاف قانون دوسرا شخص برداشت کرتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ مدعی کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے خلاف قانون واقع شدہ کسی امر سے مضرت اٹھائی ہو تو اس صورت میں مدعی کسی طرح ہرجانہ وصول کرنے کا مستحق نہیں ہوتا،

ہرجانہ وصول کرنے کے لئے مدعی کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ خاطی نے ایک ایسے حق کی خلاف ورزی کی کہ جس کے بارے میں خود مدعی کو استحقاق حاصل تھا، اور خاطی پر مدعی ہی کے مقابل میں احتیاط برتنے کا فرض عائد ہونا چاہئے، اگر احتیاط برتنے کا فرض مدعی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے مقابل میں تھا تو پھر خاطی سے مدعی کے کسی حق کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اس لئے مدعی کوئی ہرجانہ وصول نہیں کر سکتا، ذیل کی مثالوں سے اس قاعدہ کی وضاحت ہوگی۔

۱۔ کسی معاہدہ سے قانونی وجوبات صرف معاہد فریقین کے مابین وجود مین آتے ہین، مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نفس معاہدہ کو تو کوئی مضرت برداشت کرنی نہ پڑی ہو، لیکن مضرت کسی تیسرے شخص کو اٹھانی پڑی ہو، ایسے تیسرے شخص کو کوئی بنائے دعوی حاصل نہیں ہے، ڈکسن بنام ریوٹر ٹیلی گرام کمپنی کے مقدمہ مین یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ مدعی علیہ (ریوٹر کمپنی) نے غفلت سے ایک ٹیلگرافی پیام مدعی کو پہونچا دیا جو اس کو نہ پہنچنا چاہئے تھا، اس پیام کی مشتملہ ہدایتون پر عمل کرنے کی وجہ سے مدعی کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا، اس مقدمہ مین یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدعی کو کوئی وجہ نالش حاصل نہیں ہے، مدعی کے مقابل مین احتیاط برتنے کا فرض کمپنی پر عائد نہیں ہوتا تھا،

۲۔ کاوالیر (Cavalier) بنام پوپ کے مقدمہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شکستہ مکان کے مالک نے اس کے کرایہ دار سے یہ معاہدہ کیا کہ مکان کی مرمت کر دی جائے گی، مگر مرمت نہیں کرائی، مکان کی شکستگی کی وجہ سے ایک حادثہ پیش آ گیا، جس سے کرایہ دار کی بیوی کو جسمانی ضرر برداشت کرنا پڑا، عدالت نے فیصلہ کیا کہ مالک مکان کے مقابلہ مین بیوی کو کوئی وجہ نالش حاصل نہیں ہے، معاہدہ سے قطع نظر مکان کے مالک پر جس کی شخصیت قابض مکان سے جدا ہے، یہ فرض نہیں ہے کہ مکان کے کل استعمال کرنیوالون کے لئے مکان کو محفوظ حالت مین رکھے، اس قسم کا فرض صرف معاہدہ کے فریق کے لئے ہوگا،

۳۔ ہر مکان کے قابض پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے علاقہ کی عمارت اور احاطہ کو کسی متصلہ دوسری عمارت کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہونے دے لیکن یہ ذمہ داری متصلہ عمارت کے مالک یا قابض کے مقابل مین ہی متصور ہوگی، نووار دون یا اجنبیون کے مقابلہ مین اس کا وجوب نہ ہوگا،

ایک مقدمہ کا واقعہ یہ ہے کہ مدعا نے جو ایک ٹھیکہ دار تھا، ایک سرنگ تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا، یہ سرنگ ایک ایسی زمین مین تیار کی جا رہی تھی، جو دوسرے شخص کے علاقہ کی تھی، وہ لوگ جن پر نالش دائر کی گئی تھی، متصلہ ذرائع آب رسانی کے مالک تھے، یہ لوگ اپنی غفلت سے اپنے علاقہ

کی بڑی نالی سے پانی بہ نکلنے کے باعث ہوئے، جس کی وجہ سے مدعی کو اپنے معاہدہ کی تکمیل مین بڑی مشکل پیش آئی، اور زیادہ مصارف بھی برداشت کرنے پڑے، اس مقدمہ مین عدالت نے فیصلہ دیا کہ مدعی کو اس مضرت کے لئے جو اس کو اٹھانی پڑی، کوئی بنائے دعوی حاصل نہیں ہے[51]

اس مسئلہ مین اسلامی فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ کوئی شخص عدالت مین اسی وقت رجوع ہو سکتا ہے جب وہ اپنے کسی حق کا طالب ہو، ان کے دعوی کی تعریف مین "مطالبہ حق" کا جزو بھی شامل ہے[52] اس لئے جب تک مدعی علیہ کے کسی عمل سے مدعی کا کوئی حق زائل نہ ہوا ہو اس کو دعوی کرنے کا کوئی حق پیدا نہیں ہوتا، اگر دعوی کیا بھی جائے تو دعوی فاسد ہوگا،

علامہ زرکشی نے تشریح کی ہے کہ ہرجانہ کے حصول کے لئے چار امور مین سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے، ایک یہ کہ کسی معاہدہ کی بنا پر ہرجانہ حاصل کرنے کا حق پیدا ہوا ہو، دوسرے یہ کہ مدعی علیہ نے کسی شے پر مخالفانہ قبضہ کر لیا ہو، جیسے غصب، تیسرے یہ کہ مدعی علیہ سے شے کا اتلاف وقوع مین آ رہا ہو، خواہ یہ اتلاف بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، چوتھے یہ کہ مدعی علیہ سے شے کا حیلولہ عمل مین آئے[53]

سر جان سامنڈ نے جو چار صورتین بیان کی ہین، ان مین سے کوئی بھی زرکشی کی بیان کردہ صورتون کے مطابق نہیں، اس لئے ہرجانہ کی ادائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

غرض انگلستان کے قانون اور اسلامی قانون دونون کی رو سے کوئی دعوی اسی وقت دائر کیا جا سکتا ہے جب کسی حق کا مطالبہ ہو،

---

[51] یہ تینون مثالین سامنڈ کی لا آف ٹارٹس ص ۱۴۸ تا ص ۱۵۰، (شائع شدہ ۱۹۲۸ عیسوی) سے ماخوذ ہین،

[52] الہدایہ ص ۱۰۵ تعلیق نمبر ۲، نیز مجلۃ الاحکام مادہ ۱۶۱۳، [53] القواعد تالیف الزرکشی، بدر الدین مخطوطہ امانت در کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد دکن، حیلولہ سے مراد یہ ہے کہ کسی شے کو غصب کیا جائے، اور بعد ازان وہ شے ضائع ہو جائے،

چوتھی فصل کا خلاصہ

مضرت کا ان مضرتون مین شامل نہ ہونا جن کو قانون تسلیم کرتا ہی،

قانون مین استثنائی صورتون کا ہونا ایک ہمہ گیر کلیہ ہے، ہر قانون بلکہ بعض مرتبہ قانون کی اکثر جز مین بھی استثنائی صورتین پیدا ہوتی ہی ہین، یہی صورت یہان بھی ہے، یون تو یہ باب خود استثنائی صورتون پر غور کرنے کے لئے ہی مختص کیا گیا ہے، لیکن اس فصل مین ایک خاص قسم کی استثنائی حالتون پر غور کرنا پیش نظر ہے،

قانونِ انگلستان کے سلسلہ مین سرجان سامنڈ نے یہ صراحت کی ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدعیٰ علیہ کا فعل خلافِ قانون بھی ہوتا ہے، اور اس سے جس فرض کی خلاف ورزی ہوتی ہے، وہ مدعی کے مقابلہ ہی مین مدعیٰ علیہ پر عائد ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود مدعی ہرجانہ حاصل نہین کر سکتا، اور مختلف وجوہ سے انصاف اور مصلحت عامہ کے مدنظر، مضرت رسانی کی چند صورتین ایسی بھی ہین جن مین قانون نے ہرجانہ دلانا مناسب قرار نہین دیا،[۱]

قتلِ نفس انگلستانی قانون مین — قانونِ انگلستان کی رو سے کسی شخص کی موت کی بنا پر اس کا کوئی وارث یا قائم مقام کوئی ہرجانہ حاصل نہین کر سکتا، انسانی زندگی کا تحفظ قانون تعزیرات یا قانون فوجداری کے توسط سے ہوتا ہے،[۲]

قتلِ نفس کی نوعیت اسلام مین — یہان اس کا اظہار نامناسب نہو گا کہ اسلامی قانون مین قتل، قصاص اور دیت کے مسائل قانون جنایات (ٹارٹس) سے متعلق ہین، تعزیرات سے اُن کو تعلق نہین ہے، کسی انسان کی موت کی بنا پر جو کسی دوسرے انسان کے خلافِ قانون فعل کا نتیجہ ہو، متوفی کے وارث بھی قائم مقام ہرجانہ حاصل کرنے کے مستحق ہون گے، یہ مسائل بہت دلچسپ ہین، اور ان پر بحث کرنے سے نئے پہلو روشنی مین آئین گے لیکن اُن کو اس مقالہ کے موضوع سے چندان تعلق نہین ہے، اور مقالہ مین کہین کہین پر قتلِ نفس کی جو مثالین پیش کی گئی ہین، وہ اسی وجہ سے کہ اسلامی قانون مین ان پر ٹارٹس (جنایات) ہی کا اطلاق ہوتا ہے،

---

[۱] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۵ ، ۱۹۲۸ء [۲] ایضاً،

دیکھنا یہ ہے کہ کسی فعل کے خلاف قانون ہونے اور اس سے کسی دوسرے انسان کے حق پر اثر پڑنے کے باوجود اسلامی نظامِ قانون کے تحت کوئی ایسی صورت ہے جس مین ہرجانہ نہ دلایا جاتا ہو، چنانچہ جیسا کہ انگلستانی قانون کی رو سے موت کی بنا پر کوئی ہرجانہ حاصل نہین کیا جا سکتا، اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے کہ غصب کی بنا پر جب تک کہ حقیقی مادی نقصان نہ ہوا ہو کوئی مالی معاوضہ حاصل نہین کیا جا سکتا، مادی نقصان نہ ہونے کے باوجود فعل کا ارتکاب خلافِ قانون ہوا اور اس سے کسی دوسرے انسان کے حق کو نقصان پہنچا ہو،[۱]

ذیل کی مثالون سے یہ واضح ہو گا کہ گو خلاف قانون فعل وقوع مین آیا، اور اس سے کسی دوسرے شخص کو مضرت اٹھانی پڑی مگر اس کے باوجود ضرر یاب کو ضرر رسان سے ہرجانہ حاصل کرنے کا حق پیدا نہین ہوا،

مثلاً ایک شخص نے اپنا چوپایہ مویشی کے بازار مین کھڑا کیا، چوپایہ نے کسی دوسرے شخص کی کوئی شے ضائع کر دی تو اس سے چوپایہ کے مالک پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی، کیونکہ مویشی کے بازار مین کسی چوپایہ کو حاکم کی اجازت سے کھڑا کیا جاتا ہے، اس سے نقصان کی صورت مین کسی پر ذمہ داری عائد نہین ہوتی،[۲]

---

[۱] اس بارے مین ایک دوسرے مقالہ موسوم بہ جنایات بر جائداد مین بحث کی گئی ہے، مزید معلومات کے لئے اس مقالہ کے مسائل تا ملاحظہ پر رجوع کرنا چاہئے [۲] قاضی خان، فتاوی ص ۵۰ جلد ۴،

۲۔ یا مثلاً چند کشتیون کے مالکون نے اپنی کشتیان گھاٹ پر کھڑی کین، ایک نئی آنے والی کشتی سے ٹھہری ہوئی کشتی کی ٹکر ہوئی جس سے ٹھہری ہوئی کشتی کو ضرر پہونچا ہو تو آنے والی کشتی کے مالک کو ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا، لیکن اگر آنے والی کشتی کو نقصان پہنچا ہو تو ٹھہری ہوئی کشتی کے مالک پر کسی ہرجانہ کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی کیونکہ حکومت کی جانب سے کشتیون کے مالک کو گھاٹ پر اپنی کشتیان کھڑی کرنے کی اجازت رہتی ہے، اس لئے کشتی کو گھاٹ پر کھڑا کرنا تعدی نہ ہوگی، [۵۱]

پانچوین فصل کا خلاصہ

مسائل تسبب [۵۲]

انگلستان کے قانون کی صراحت کرتے ہوئے سر جان سامنڈ نے لکھا ہے کہ کبھی کوئی مقدمہ اس نوعیت کا پیش ہوتا ہے، کہ جو مضرت پہنچائی جاتی ہے، اس کی علت مدعا علیہ پر ذمہ داری عائد کرنے کے لئے قانوناً کافی نہین ہوتی،

اس نوعیت کے مقدمات مین تسبب کے موضوع کے تحت بحث کی جاتی ہے، انگلستان کے ارباب قانون کا بیان ہے کہ اس موضوع مین بہت اختلاف ہے اور بڑی پیچیدگی ہے، کوئی صحیح رہنمائی نہین ہوتی اس لئے اس کے مسائل کا صحیح حل دشوار ہے، [۵۳]

اس موضوع سے متعلق قانون انگلستان اور اسلامی فقہ مین اس کثرت سے مواد ملتا ہے کہ اس پر سرسری بحث بالکل ناکافی ہوگی، ان مسائل کی پیچیدگی اور ان کے وقوع پذیر ہونے کی کثرت اس کی متقاضی ہے، کہ اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا جائے، [۵۴]

---

[۵۱] فتاوی قاضی خان ص ۱۵۰، جلد ۴ ۔ [۵۲] (Remoteness of damage.

[۵۳] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۵۷، ۱۹۲۸ء۔ [۵۴] اس مسئلہ کے متعلق بھی جنایات بر جائداد کے مقالہ مین روشنی ڈالی گئی ہے، ص ۹ و ۱۰، نیز ص ۱۳ تا ۲۶، ص ۱۶۸،

اس مسئلہ کے متعلق اس مقالہ مین تھوڑی بہت بحث گذر چکی ہے، یہان بھی چند ضروری امور لکھے جاتے ہین، تاکہ مسائل کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے،

سر جان سامنڈ کا بیان ہے کہ کسی واقعہ کے سبب بعید کے مسئلہ کا حل علت کے نظریاتی اور منطقی مباحث کے ذریعہ نہین ہو سکتا، اس سلسلہ مین ان کی تجزیہ ہے،

"کسی مدعی علیہ کی ذمہ داری اس کے کسی خلاف قانون فعل کے نتائج کی نسبت جن کے وقوع مین لانے کے لئے مدعی علیہ کا کوئی ارادہ نہ ہو، صرف اُن نتائج کی حد تک محدود ہے، جو پیش آمدہ فعل سے اس بنا پر وقوع مین آئے کہ مدعی علیہ نے مدعی کے حقوق کی خلاف ورزی مین کوئی خطرناک حالت پیدا کر دی تھی، اور جب کوئی ایسی حالت پیدا کی جائے، تو اس کا وجود مرتکب کی ذمہ داری پر ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے جو بھی نتائج پیدا ہون، اس کا ہرجانہ مرتکب کو ادا کرنا لازم ہے، گو پیدا شدہ نتائج غیر متوقع اور اپنی کیفیت مین غیر معمولی کیون نہ ہون لیکن مدعی علیہ کی ذمہ داری اس کے کسی فعل کے ان نتائج تک وسیع نہین ہے، جو گو اس کے فعل ہی سے وقوع مین آئے ہون، لیکن ان کو اس پیدا کردہ خطرہ سے کوئی تعلق نہ ہو، جو خلاف قانون طریقہ سے مدعی کے حقوق کی خلاف ورزی مین پیدا کیا گیا ہو، اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے، کہ خود خطرہ زائل ہو جاتا ہے، یا باوجود موجود ہونے کے ان نتائج کے وقوع مین آنے کا سبب نہین ہوتا جو بنائے دعوی قرار پائین" [۵۵]

واضح ہو کہ بلا واسطہ نتیجہ مدعی علیہ کے فعل سے فوری طور پر پیدا ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ خود فعل کا جزو ہوتا ہے، اس کے برعکس بالواسطہ نتیجہ اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کوئی واضح امر بین امر خاطی کے فعل اور اس کے نتیجہ کے مابین پیدا ہو جائے، اور نتیجہ فعل کا جزو نہ رہے بلکہ فعل اس نتیجہ کا سبب ہو،

---

[۵۵] لا آف ٹارٹس، ص ۱۷۵، ۱۹۲۸ء،

مثلاً زید نے ایک شہتیر راستہ پر ڈالا، اور ڈالتے وقت کسی کو مضرت پہنچی، تو یہ فعل کا بلا واسطہ نتیجہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر شہتیر ڈالنے کے بعد راستہ چلتے ہوئے کسی شخص کو مضرت پہونچے، تو یہ فعل کا بالواسطہ نتیجہ ہوگا،

جیسا کہ اس سے قبل بھی تحریر کیا جا چکا ہے کہ فعل کے بلا واسطہ اور بالواسطہ نتیجہ کے لئے اسلامی فقہا نے "التفویت بالمباشرۃ" اور "التفویت بالتسبب" کی اصطلاحین مقرر کی ہین[1]،

ان دونون اصطلاحون کے بارہ مین امام غزالی کی وضاحت ساتوین باب مین خود مختار معاہدہ کی ذمہ داری کے بیان مین گذر چکی ہے، اگر امام غزالی کے بیان سے سر جان سامنڈ کے مذکورہ بالا بیان کا مقابلہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے، کہ محض سبب کو وقوع مین لانے سے ذمہ داری پیدا نہین ہوتی،

حرفِ آخر اس مقالہ کا یہ مقصد تھا کہ یہ دیکھا جائے، کہ جنایات بوجہ "غفلت" کے بارے مین اسلامی اور انگلستانی قانون جنایات کے مماثل اصول و ضوابط مین کیا مطابقت پائی جاتی ہے، اور کیا اختلاف ہے، اور کس نوعیت کا ہے، اور کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ کسی نظام قانون کے موجودہ اصول آیندہ اور زیادہ بہتر اساس پر ترقی پا سکتے ہین،

اس مقالہ مین صرف اصول اور ضوابط کلیہ پر نظر ڈالی گئی، ان اصول اور ضوابط سے جو مسائل متفرع ہوتے ہین، ان سے بحث نہین کی گئی ہے، مثلاً مکانون اور اراضی کے مالکون یا قابضون کی ذمہ داری، خطرناک اشیار کے استعمال کی ذمہ داری، آگ، پانی اور جانورون کے متعلقہ مسائل نیز مادی غفلت کے متعلقہ امور،

گذشتہ ابواب اور فصول کے مباحث سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ "غفلت" یا "خطا" کے متعلق اسلامی فقہار نے کئی صدی قبل جو اصول اور قواعد مرتب کئے تھے، وہ عملی حیثیت سے موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کے ایک ترقی یافتہ اور اصلاح پذیر قانون سے کسی طرح کم نہین ہین، بلکہ بعض صورتون

[1] امام غزالی: الوجیز ص ۲۰۵، جلد اول نیز ابن رشد کی تالیف بدایۃ المجتہد ص ۲۶۵، جلد دوم،

مین جدید اور عصری قوانین اب بھی اسلامی فقہ سے پیچھے ہین،

مثلاً عورتون اور تاج کی حیثیت کے متعلق اسلامی قوانین آج بھی بہتر ہین، اور اس بارہ مین انگریز مفکرین غور و فکر کے بعد وہی اصول اختیار کرنے پر مائل ہین، جو اسلامی فقہار نے اختیار کئے ہین اور لارفام ایکٹ کے ذریعہ متعدد امور مین قانونِ انگلستان ان ہی نقطہ ہائے نظر پر پہنچ رہا ہے، جہان اسلامی قانون بہت پہلے پہنچ چکا ہے،

اسلامی فقہار کے جن نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کی گئی ہے، اُن سے قانون کی آیندہ ترقی مین بڑی مدد ملے گی،

اس مقالہ کے مباحث سے یہ ثابت ہے کہ اسلامی فقہا کے بنیادی اصول اور قواعد کلیہ، بلکہ فروع اور جزئیات بھی کسی جامد نظام قانون کے اصول و فروع نہین ہین، اور ان مین وسعت پذیر ہونے اور ترقی کرنے کا مادہ پوری طرح موجود ہے، اور معاشرہ کی ترقی کے ساتھ جو جدید مسائل پیدا ہوتے ہین، ان کو انصاف کے بلند اور بہترین معیار پر حل کرنے مین اسلامی فقہا کبھی پیچھے نہین رہے،

اس زمانہ مین غیرون بلکہ اپنون نے بھی خواہ مخواہ اور بلا تحقیق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اسلامی نظام قانون ایک جسد بے روح ہو کر رہ گیا ہے،

یہ امر ظاہر ہے کہ ایک قانون سے دوسرے قانون کے بعض مسائل مین مطابقت ہو سکتی ہے اس لحاظ سے جب تک ایک پورے نظام قانون کا دوسرے نظام قانون سے مکمل طریقہ سے موازنہ نہ کیا جائے اس وقت تک کسی قانون کے عملی افادہ کا اندازہ نہین ہو سکتا، قانون کے سارے جزئیات کا مقابلہ بہت مشکل ہے، اس لیے دو نظامہائے قانون کے مقابلہ کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ دونون کے اصل الاصول مین مقابلہ کیا جائے، ایک فلسفۂ قانون سے دوسرے فلسفۂ قانون کا مقابلہ کیا جائے، اسی صورت سے ایک نظام قانون کا فرق دوسرے نظام قانون سے معلوم ہو سکے گا، اور یہ بھی واضح ہو جائیگا

کہ کس نظام قانون مین زیادہ لچک، اور عملی اعتبار سے کونسا نظام قانون زیادہ مفید ہے،

یہ کام بہت مشکل اور اس کے لئے بہت وقت اور بڑی ہمت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ اس بڑے کام کی تکمیل کا بھی سامان کرے گا،

اس وقت متمدن دنیا مین صحیح یا غلط یہ خیال عام ہے کہ اسلامی نظام قانون اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا ہے لیکن اسلامی علوم وآداب کی تاریخ برابر یہ ثبوت پیش کرتی آئی ہو کہ ضروریات زمانہ کے لحاظ سے جدید خیالات کی نشو ونما کے ساتھ اسلامی علوم کی بھی تدوین و ترقی ہوتی رہی، اس لئے کیا عجب ہو کہ فقہ اسلامی پھر کروٹ بدلے اور کوئی شخص اُس کے قدیم اور آزمودہ اصولون پر اس کی جدید تدوین مین

ع مردے از غیب برون آید وکارے بکند

کا مصداق بنے، انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان،

وقف

اور

امام ابو حنیفہ

از

مولانا سید فضل اللہ صاحب استاذ شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

وقف کا ثبوت قرآن سے پیش نہین کیا جا سکتا، البتہ حدیث سے ثابت ہے کہ بخاری مسلم ترمذی وغیرہ صحاح مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے؛

عن عبد الله بن عمر قال اصاب	ابن عمرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کو خیبر مین کچھ
عمر ارضا بخیبر فاتی النبی صلی الله	زمین ملی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
علیه وسلم یستامره فیها فقال	آئے، اور کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر
یا رسول الله انی اصبت ارضا	مین ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ مال
بخیبر لم اصب قط مالا انفس	کبھی مجھے نہین ملا، آپ مجھے اس مین
عندی منه فما تامرنی فیها	کیا مشورہ دیتے ہین، فرمایا اگر تم
فقال ان شئت حبست اصلها	چاہو تو اسے اپنی ملک مین رکھو اور
وتصدقت بها غیر انه لا یباع	منافع کا صدقہ کرو، اس کو نہ بیچ
ولا یوهب ولا یورث قال	کر سکو گے، اور نہ ہبہ اور نہ تمھارے

فتصدق بها عمر فی الفقراء و ذوی القربی والرقاب وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیها ان یاکل منها او یطعم صدیقا بالمعروف غیر متاثل فیها

ورثہ کو ملے گی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو فقراء، قرابت داروں اور غلاموں کی رہائی اور مسافروں اور مہمانوں کے لئے وقف کر دیا، اور متولی اگر خود بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا کسی دوست کو کھلائے تو اس کی اجازت ہے، ہاں جمع نہ کرے،

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے :-

(۱) شرعاً وقف کے یہ معنی ہین کہ وقف کا واقف قیامت تک مالک رہے گا، اسے یہ اختیار نہو گا کہ وقف کو اپنی ملک سے دوسرے کی طرف منتقل کرے، انتقال کی دو ہی صورتین ہین مرنے کے بعد ورثہ کی طرف منتقل ہو، یا زندگی مین بذریعہ عقد منتقل ہو، اگر یہ عقد بہ معاوضہ ہے، تو یہ بیع ہے اور بلا معاوضہ ہے تو ہبہ، اور حدیث کے ان جملون

"لا یباع ولا یوھب ولا یورث"

نے تمام انتقالات سے منع کر دیا، اور وقف کا انتقال درست نہین رہا، اس لئے کہ وقف واقف ہی کی ملک رہے گا، وقف کے قبل بھی واقف مالک تھا، لیکن اسے بیع اور ہبہ کا اختیار تھا، اور مرنے کے بعد ورثہ مالک ہوتے تھے، لیکن وقف کے بعد اس کا یہ اختیار باقی نہ رہا، شارع نے اسے مجبور التصرف کر دیا، قبل وقف اور بعد وقف اس کے مالک ہونے مین یہی فرق ہے جو لوگ کہتے ہین کہ اگر وقف کے بعد بھی مالک رہے اور پہلے بھی وہ مالک تھا تو وقف سے کچھ فائدہ نہین ہوا، اور ایسا وقف ناجائز ہے، انھین اس پر غور کرنا چاہئے کہ دونون حالتون مین بہت فرق ہے،

(۲) وقف کا حکم یہ ہے کہ اس کے منافع ان وجوہ سے صدقہ کئے جائین جن کے لئے وقف

کیا گیا ہے، فقہا نے وقف کی اس تعریف اور حکم کو ان دو فقرون مین ادا کیا،

تحبیس الاصل وتسبیل المنفعة،

یعنی اصل موقوف کو ملک مین روکنا، اور منافع کو صدقہ کرنا،

امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی وقف کی تعریف اور حکم بعینہٖ وہی ہے جو اس حدیث مین ہے،

وھو فی الشرع عند ابی حنیفة حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بمنفعتہ

شریعت مین امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف یہ ہے کہ اصل موقوف کو واقف اپنی ملک مین روکے اور نفع کو صدقہ کرے،

(ھدایہ)

مبسوط سرخسی مین ہے،

الوقف فی الشریعة عبارة عن حبس المملوک عن التملیک من الغیر،

شریعت مین وقف یہ ہے کہ وقف کو دوسرون کی ملک ہونے سے بچائے۔

جو لوگ یہ کہتے ہین کہ وقف واقف کی ملک سے نکل جاتا ہے، امام ان کے خلاف اسی حدیث سے دلیل قائم کرتے ہین، اور یہ کہتے ہین کہ واقف کا مقصد وقف سے صرف اپنے مال کے منافع کا صدقہ ہے، اور اس کا مقتضی یہی ہے کہ وقف کا واقف ہی مالک رہے، اسی وجہ سے وقف مین واقف کے شرائط کا لحاظ کیا جائے گا، (مجمع الانہر مین ہے)

لہ ان غرضہ التصدق بمنفعة مالہ وذا یقتضی بقائہ علی ملکہ ولھذا اعتبر شرائط الواقف فیہ (صفحہ ۳۳)

یہ معلوم ہے کہ منافع وقف کے صدقہ کا ثواب واقف ہی کو ملتا ہے جس سے وقف کا واقف کی

لک مین رہنا صاف ظاہر ہے ورنہ ثواب اسے نہ ملتا،

اس حدیث سے وقف کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر تمام امت کا اتفاق ہے، مجمع الانہر مین ہے،

اجتمعت الامۃ علی جواز الوقف	تمام امت جواز وقف پر متفق ہے،

تمام امت مین امام ابوحنیفہ بھی ہین، امام محمد مبسوط مین لکھتے ہین،

"فاما اصل الجواز ثابت عندہ" امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل وقف جائز ہے،

مبسوط سرخسی مین بھی یہی ہے، بہرحال حدیث سے وقف کا جواز ثابت ہے، امام ابوحنیفہ بھی وقف کو جائز کہتے ہین، اور اکثر ائمۂ احناف امام سے اس جواز کے ناقل ہین لیکن بعض عدم جواز کے بھی ناقل ہین، مبسوط سرخسی مین ہے :-

وظن بعض اصحابنا رحمہم اللہ انہ غیر جائز علی قول ابی حنیفۃ والیہ یشیر ظاھر الروایۃ،	بعض احناف کا گمان ہے کہ وقف امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق جائز نہین اور ظاہر روایت مین بھی اسی کی طرف اشارہ ہے،

اس عبارت سے چند امور معلوم ہوئے، (۱) یہ بعض احناف کا گمان ہے نہ کہ تمام کا جیسا کہ بعض کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے (۲) اور بعض کا بھی محض گمان ہے، واقع مین ایسا نہین، جیسا کہ لفظ "ظن" اس پر دال ہے (۳) اس گمان کی بنا، ان کے ایک قول پر ہے، ورنہ یہ خود ان کا قول نہین، اس لئے امام سرخسی نے بجائے انہ غیر جائز عندہ کے انہ غیر جائز علی قول ابی حنیفہ کہا حالانکہ اول مین زیادہ اختصار تھا (۴) ظاہر الروایہ مین عدم جواز محض اشارہ ہے، نہ کہ صراحت،

یہ امر بھی خیال مین ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے کہ وقف کا واقف مالک رہے گا، اس قول سے بعض کو یہ گمان ہوا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ وقف جائز نہو کیونکہ اس کو عدم جواز لازم ہے، اس لئے کہ وقف کے

قبل بھی واقف مالک تھا، اور بعد وقف بھی، تو ایسے وقف سے کوئی فائدہ نہ ہوا، اور وہ لغو اور ناجائز ہوگا،

حافظ ابن ہمام نے فتح القدیر مین نہایت وضاحت سے اس کو بیان کیا ہے،

لیکون موجب القول المذکور حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ وحقیقتہ لیس الا التصدق بالمنفعۃ ولفظ حبس الی اُخرہ لا معنی لہ الا ان لہ بیعہ متی شاء وملکہ مستمر فیہ کما لو لم یتصدق بمنفعتہ فلم یحدث الوقف الا مشیئۃ التصدق بمنفعتہ ولہ ان یترک ذالک متی شاء وھذا القدر کان ثابتاً لہ قبل الوقف بلا ذکر الوقف فلم یفد لفظ الوقف شیئاً وھذا المعنی فی المبسوط من قولہ کان ابو حنیفۃ لا یجز الوقف،	تاکہ قول مذکور اس کو مستلزم ہو کہ وقف کا واقف مالک رہے، اور منافع کا صدقہ کرے، درحقیقت اس مین منافع کا صدقہ ہے، اور واقف کو یہ اختیار ہوگا کہ جب چاہے، اس کو بیع کرے، کیونکہ وہ وقف کا مالک ہے جس طرح پہلے تھا، وقف سے صرف منافع کا صدقہ ثابت ہوگا، جو وقف سے پہلے بھی حاصل تھا، او مبسوط مین امام ابوحنیفہ کے اس قول "کان ابو حنیفۃ لا یجز الوقف" کے یہی معنی ہین،

حافظ ابن ہمام کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب وقف کا مالک واقف اور وہی منافع کا صدقہ کرنے والا ہے، اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ نہ کرے، اور وقف کے قبل بھی

یہی حالت تھی، اس صورت مین وقف مفید نہ ہوگا، اور امام ابو حنیفہؒ کے اس قول سے وقف کا عدم جواز لازم آئے گا، اور مبسوط مین جو یہ ہو کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف جائز نہین، اس کا مطلب یہی ہو کہ یہ عدم جواز اُن کے قول سے لازم آتا ہے، نہ یہ کہ ان کا یہ قول ہے، علامہ سرخسی کی بھی اس قول انّہ غیر جائز علیٰ قول ابی حنیفۃ" سے یہی مراد ہے،

عدم جواز چونکہ امام ابو حنیفہؒ کا صریح قول نہ تھا، بلکہ لازم قول تھا، اور جواز صریح اور منصوص قول تھا، جو نا قابلِ تاویل تھا، اس لئے ائمہ نے یجوز اور لا یجوز کے درمیان مطابقت دینے مین لا یجوز مین تاویل کی، اور یجوز مین نہین کی،

امام محمد نے مبسوط مین لا یجوز کی تاویل لا یلزم سے کی ہے، صاحبِ عنایہ لکھتے ہین :-

"قال محمد فی المبسوط فمراد، انّہ لا یجعلہ لازمًا فامّا اصل الجواز فثابت عندہٗ"

یعنی لا یجوز سے مراد یہ ہے کہ وقف لازم نہین ہے، ورنہ وقف کے جواز کے وہ قائل ہین امام سرخسی نے بھی مبسوط مین یہی تاویل کی ہے،

امام ابو حنیفۃ فکان لا یجوز	امام ابو حنیفہ وقف جائز نہین رکھتے تھے،
ذالک و مرادہٗ ان لا یجعلہ	اس سے مراد یہ ہے کہ وقف کو وہ ضروری
لازمًا فامّا اصل الجواز فثابت	نہین قرار دیتے تھے، ورنہ جواز کے وہ
عندہٗ لانّہ یجعل الواقف	قائل ہین، اس لئے کہ اُن کے نزدیک
حابسًا للعین علیٰ ملکہ صارفًا	واقف وقف کا مالک رہے گا، اور
للمنفعتہ الی الجہتہ التی سماھا	نفع کو اس مین صرف کرے گا جس
فیکون بمنزلتہ العاریتہ،	کے لئے وقف کیا ہے،

امام صاحب کے قول لا یجوز کی جو تاویل امام محمد اور امام سرخسی نے لا یلزم سے کی ہے، وہ دقت سے خالی

نہین، اس لئے کہ جواز سے لزوم کے معنی بعید از فہم ہین، علامہ کاشانی نے صنائع بدائع مین غالبًا اسی لئے اس تاویل کو اختیار نہین کیا، اور یہ کہا کہ لا یجوز الوقف سے مطلق وقف کے جواز کی نفی مقصود نہین، بلکہ مخصوص وقف کی نفی ہے یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ وقف جائز نہین جس مین وقف واقف کی ملک سے خارج ہو جائے، جیسا کہ عامۃ الناس کہتے ہین،

ویکون معنی قولہ انّہ لا یجیز	امام ابو حنیفہ کے قول لا یجیز الوقف کے معنی
الوقف ای لا یجیزہ بحیث	یہ ہین کہ وہ وقف جائز نہین جس سے
یخرج عن ملکہ کما ذھب الیہ (صنائع بدائع)	وقف واقف کی ملک سے خارج ہو جائے
العامتہ،	جیسے عام طور سے لوگون کا مذہب ہے،

الغرض امام ابو حنیفہ سے جوازِ وقف ثابت ہے، اور یہی ان کا مذہب ہے، قول ہے، عدم جواز کا قول اپنے ظاہری معنی مین نہین بلکہ ایسے معنی پر محمول ہے کہ جس کا ماحصل جواز ہے، امام ابو حنیفہ وقف کی وہی تعریف اور حکم بیان کرتے ہین، جو حدیث سے ثابت ہے، اور جو لوگ کہتے ہین کہ وقف واقف کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے، وہ اس حدیث کے خلاف کہتے ہین، اور اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل نہین، واللہ اعلم بالصواب،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیبِ اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۲۵)

لاہور - ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء

عید مبارک باشد،

مخدومی! السلام علیکم۔

مین آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان[1] کے حالات معارف مین شائع کیے جائین ہمسلم اسٹینڈرڈ لندن نے اُن کے کچھ حالات شائع کیے تھے، آج کے معارف مین میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا جزاک اللہ، معارف کا اڈیٹر صاحبِ کشف نہ ہوگا، تو اور کون ہوگا، حال کے روسی علماء کے بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائین، تو ان کا ترجمہ ہندوستان مین شائع ہونا چاہیے

خضرِ راہ کے متعلق جو نوٹ آپنے لکھا اُس کا شکریہ قبول فرمائیے،

جوشِ بیان کے متعلق جو کچھ آپنے لکھا صحیح ہے، مگر یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا، کم از کم میرے

[1] روسی مسلمان شیخ عالم جان اقبال کی ایک نظم،

خیال مین احباب خضر کی پختہ کاری ان کا تجربہ، اور واقعات حوادثِ عالم پر اُن کی نظر ان سب باتوں کے علاوہ ان کا اندازِ طبیعت جو سورہ کہف سے معلوم ہوتا ہے، اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو اُن کے ارشادات مین کم دخل ہو، اس نظم کے بعض بند مین نے خود نکال دیئے، اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوشِ بیان بہت بڑھا ہوا تھا، اور جنابِ خضر کے اندازِ طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا، یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائینگے،

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا، والسلام

مخلص محمد اقبال

(۲۶)

لاہور

۵ جولائی ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم،

پیامِ مشرق میں جو نوٹ آپنے معارف مین لکھا ہے اس کے لیے سراپا سپاس ہون، پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے، انھون نے اُسے بہت پسند کیا ہے، اور غالباً اس کا ترجمہ بھی کرینگے، وہ لکھتے ہین کہ یہ کتاب جدید اور بجنبل خیالات سے مملو ہے، اور گوئٹے کے دیوانِ مغربی کا قابلِ تحسین جواب ہے، مگر میرے لئے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابلِ افتخار ہے،

سید نجیب[1] اشرف صاحب نے اپنے مضمون مین محمد دارا کے لطیفۂ غیبیہ کا ذکر کیا ہے، یہ چھوٹی سی کتاب ہے، اور مین نے ایران سے منگوائی ہے، اگر وہ یا آپ اُسے دیکھنا چاہین، تو بھیج دون، ہندو والے اسے دیکھین گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کرین گے،

اب کے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر آپ سے ملنے کی توقع تھی، مین اسی خیال سے

[1] سید نجیب اشرف ندوی سابق نائب مدیر معارف،

جلسہ مین گیا کہ آپ کو اپنے یہان مہمان کرنے کے لئے لیتا آؤن گا، مگر جلسہ مین جاکر مایوسی ہوئی، انشاءاللہ پھر کوئی موقع پیدا ہوگا، کیا تفہیماتِ الٰہیہ چھپ گئی ہے ؟

امید کہ مزاج بخیر ہوگا،   والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

(۲۷)

شملہ، نوبہار

۳ اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم،

مین کچھ دنون کے لئے شملہ مین قیام پذیر ہون، نقرس کے دورہ کی وجہ سے صحت اچھی نہین رہتی،

"مردانِ خدا خدا نہ باشند   لیکن ز خدا جدا نہ باشند"

کس کا شعر ہے؟ ایک امر کے لئے اس کی تحقیق ضروری ہے، ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ مین یہ شعر گذرا ہو، عام طور پر مشہور ہے۔ مین چند روز اور شملہ مین ہون اگر آپ جلد جواب دین تو مندرجۂ بالا پتے پر خط لکھین، اور کچھ دنون کے بعد خط لکھنا ہو تو لاہور کے پتے پر تحریر فرمائین

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا   والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(۲۸)

لاہور ۲۲ اگست ۱۹۲۲ء   مخدومی ! جناب مولانا السلام علیکم،

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے بہت شکر گذار ہون، جتنی آگاہی آپنے دی ہے، وہ

اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لئے کافی ہے،

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی؟ اگر قلمی ہے تو کہان سے عاریۃً ملے گا، علیٰ ہذا القیاس، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی عبقات۔ قاضی محب اللہ کے جوہر الفرد، اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہان سے دستیاب ہون گی ؟

زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث مین سب سے زیادہ اہم ہے، میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکما، و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے، مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا،

میرے لکچر اکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے، اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے، اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہوگی،

جن کتابون کا آپنے اپنے والا نامے مین ذکر فرمایا ہے، کیا آپ کے کتب خانۂ دار المصنفین مین موجود ہین اگر ہون تو مین چند روز کے لئے وہین حاضر ہو جاؤن اور آپ کی مدد سے ان مین سے بعض کو دیکھ سکون،

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ مین ان مین سے بعض موجود ہین۔ مگر سب نہین، اس کے علاوہ یہان علمی شغف رکھنے والے علما بھی موجود نہین ہین، جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے، فی الحال مین مولوی نور الحق صاحب کی مدد سے مباحثِ مشرقیہ[1] دیکھ رہا ہون، اس کے بعد شرح مواقف[2] دیکھنے کا قصد ہے زیادہ کیا عرض کرون، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، جو زحمت مین کبھی آپ کو دیتا ہون اس کے لئے معاف فرمایا کرین، حضرت ابن عربی کے بحثِ زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہوگی، آپ کے ملخص کی روشنی مین کتاب مین خود پڑھون گا،   والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[1] طبیعیات و الٰہیات میں امام رازی کی تصنیف [2] فلسفہ و علم کلام کی مشہور کتاب،

(۲۹)

لاہور - ۲۳ر جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم،

رسالہ ذخیرۃ الدنیویہ جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے، آپ کی خدمت مین بھی پہنچا ہوگا، اڈیٹر ڈھاکہ معلوم ہوتا ہے، اور مضامین اچھے لکھتا ہے، ہر مہینہ احادیثِ نبوی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس مین ضرور ہوتا ہے، گذشتہ ماہ کے پرچہ مین وہ لکھتے ہین کہ حدیث خلیلی فی ہذہ الامۃ اویس القرنی" موضوع ہے، اور امام مالک کے نزدیک ویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہین ہے، آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کے متعلق جو اُن سے منسوب ہین، کیا خیال رکھتے ہین، اگر حضرت امام مالک کی تحقیق زیر نظر[۵۵] ہو تو ازراہ عنایت حوالہ سے آگاہ فرمائیے گا،

امید کہ مزاج بخیر ہوگا،   والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور،

(۳۰)

لاہور

یکم فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازشنامہ معلومات سے لبریز ہے، نہایت شکرگذار ہون، مین نے چند نظمین فارسی مین لکھی تھین، جو پیام مشرق کی دوسرے اڈیشن مین شامل کردی گئین، انہی نظمون مین سے ایک آپ کی خدمت مین ارسال کی گئی، ایک جامعہ ملیہ علی گڈہ کے لئے اور ایک علی گڈہ منتھلی کے لئے بھیجی گئی، اور کسی جگہ کوئی نظم مین نے

[۵۵] علامہ ابن حجر ... قال ابن عدی لیس لہ روایۃ لکن کان بینکر وجودہ اسکو نقل کرکے حافظ ابن حجر نے ان کے وجود کی اثباتی روایتین لکھی ہین،

نہین بھیجی، معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے، اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لئے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیون سے بھی مالامال ہوتی ہے،

مولانا گرامی کی غزل مین سُن چکا ہون، اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا،

ع فقر را ترکمانئے ہم ہست

اس شعر پر مین نے تضمین بھی کی تھی، مگر پیام مشرق مین اس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بھی پسند نہ آئی، اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت مین کوئی عذر نہین، عرض کرتا ہون،

سخنے راندہ کہ جز قرشی   بر سر مسند نبیؐ ننشست

درس گیر از گرامی ہمہ درد   کہ برید از خود و با وپیوست

رمز ترک خلافتِ عربی   گفت آن می گسار بزم الست

ماہ را بر فلک دو نیم کند

فقر را ترکمانئے ہم ہست

لفظ نشانی کلاسکل فارسی مین تو آتا ہے، جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہین، بہار عجم ملاحظہ فرمائیے، مسلمانون نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اضافے انھون نے یونانیون کی منطق پر کئے ہین اس کے متعلق مین کچھ تحقیق کر رہا ہون،

مین آپ کا نہایت شکرگذار ہون گا، اگر آپ ازراہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائین، کم ازکم ان کتابون کے نام تحریر فرمائیے جن کو پڑھنا ضروری ہے، جرمن زبان مین کچھ رسالہ اس کے لئے ہے، اور چند کتابین اسلامی حکماء پر حال ہی مین شائع ہوئی ہین، جو مین نے پنجاب یونیورسٹی کے لئے خریدلی تھین، عربی و فارسی کتاب سے آپ آگاہ فرمائین، اگر کتابین ایسی ہون جو دستیاب ہوسکتی ہون، اُن کے نام درج[۵۶] فرما دیجئے گا، قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے امام رازی نے کیا تھا، امام غزالی، ابن تیمیہ اور شاید

[۵۶] صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو،

شیخ سہروردی مقتول نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے، موخرالذکر کی تحقیق زمانۂ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے،

امید کہ مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال

(۳۱)

لاہور

یکم مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

کیا روسی مسلمانون مین بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟

اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے مفتی عالم جان جن کا حال مین انتقال ہوگیا ہے، اُن کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی، کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی، یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟

تکلیف دہی کے لئے معافی چاہتا ہون، اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہان تک ممکن ہو جلد دیا جائے،

والسلام

مخلص محمد اقبال، بیرسٹر لاہور،

(۳۲)

لاہور - ۱۴ر مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہون،

(حاشیہ صفحہ) سب سے پہلے ابوالبرکات بغدادی نے کیا ہے، جن کی کتاب المعتبر حیدرآباد سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

رویت باری کے متعلق جو استفسار مین نے آپ سے کیا تھا، اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی، خیال تھا کہ شاید اس بحث مین کوئی بات ایسی نکل آئے، جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے، اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالہ سے تقویت ہوئی، جس مین انھون نے ابوالمعالی کے رسالہ سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے، ابوالمعالی کا خیال آئن سٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے، گو مقدم الذکر کے ہان یہ بات محض ایک قیاس ہے، اور موخرالذکر نے اُسے علم ریاضی کی رو سے ثابت کر دیا ہے،

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے، تاہم مسلک میرا وہی ہے، جو قرآن کا ہے، اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے، خلافت پر جو مضامین آپ نے لکھے، نہایت قابل قدر ہین، ان سب کو ایک علحدہ رسالہ کی صورت مین شائع ہونا چاہیئے،

نظم خضر راہ جو انجمن کے سالانہ جلسہ مین پڑھی تھی، ایک علحدہ کتاب کی صورت مین شائع ہوگئی تھی، مین آج دریافت کراؤن گا، اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمت والا مین ارسال کرا دون گا، ساری نظم کا اب چھپنا تو ٹھیک نہین اور نہ اس قدر گنجایش معارف مین ہوگی، لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آجائے تو اسے چھاپ دیجئے، زیادہ کیا عرض کرون، امید کہ مزاج بخیر ہوگا (گوئٹے شاعر جرمنی) کے "مشرقی دیوان" کے جواب[1] مین مین نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے، عنقریب شائع ہوگا، اس کے دیباچہ مین یہ دکھانے کی کوشش کرون گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمنی لٹریچر پر کیا اثر کیا ہے،

والسلام

مخلص محمد اقبال

....

[1] پیام مشرق کا ذکر،

(۳۳)

لاہور

۱۸ راگست ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم،

حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے، جس کا نام ہے "مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات" اس کتاب میں لکھا ہے، کہ اجماعِ امت نصِ قرآن کو منسوخ کر سکتا ہے، یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی جو نصِ صریح کی رو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے، یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفا اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ امت یہ اختیار رکھتا ہے، مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا، آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے، کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے،[۱]

امر دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے، میں نے ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے، میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا، اگر جواب جلد دیا جائے،

آپ کا مخلص محمد اقبال۔ بیرسٹر،

۴۳۔ میکلوڈ۔ روڈ، لاہور

---

[۱] اجماع سے نصِ قرآنی کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں، امریکی مصنف نے غلط لکھا ہے، آمدی الاحکام میں لکھتے ہیں :۔

"مذہب الجمہور ان الاجماع لا ینسخ بہ خلافاً لبعض المعتزلۃ، (ج ۳ ص ۲۲۹)

بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے، مگر ان کی رائے مقبول نہیں ہو سکی، آمدی نے حصہ شرعی کے ایک خاص مسئلہ کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے، پھر اس کا جواب دیدیا ہے، اس سے امریکی مصنف کا استدلال غلط فہمی ہی؛

(۳۴)

لاہور۔

۲۰ راگست ۱۹۲۴ء

مخدوم محترم! السلام علیکم،

نوازشنامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں،

۱۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہا نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے،

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علما و مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں، اگر مسلمانوں کی تاریخ میں صحابہ کے بعد کوئی ایسی مثال ہو تو اس سے بھی آگاہ فرمایئے، یعنی یہ کہ کس مسئلہ میں صحابہ نے یا علمائے امت نے نص کے حکم کی تخصیص و تعمیم کر دی، میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیم حکم سے آپ کی کیا مراد ہے،

۲۔ دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم اُن کے علم میں ہو گا، جو ہم تک روایۃً نہیں پہنچا،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہ نے نصِ قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کونسا حکم ہے۔[۱]

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم اُن کے علم میں ہو گا محض حُسنِ ظن پر مبنی ہے، یا آج کل کی قانونی اصطلاح میں "لیگل فکشن" ہے، علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے، اگو صرف اسی حد تک کہ اجماع صحابہ نصِ قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا، بعد کے علما، ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ اُن کے علم میں کوئی ناسخ

---

[۱] ایسا کوئی حکم نہیں اور نہ نصِ قرآنی کے خلاف کوئی حکم صحابہ نے دیا ہے،

حکم نہین ہو سکتا ،

۲۔ اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے ، وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبوی کے اور کچھ نہین ہو سکتا ، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے ، جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے ، اور غالبًا آپ کو بھی ہوگا مجھے افسوس ہے کہ مین آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہوا ، لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسہ کر کے جراءت کی ہے ؛

جو کتاب امریکہ مین چھپی ہے اس کا نشان مندرجۂ ذیل ہے :-

Mohammadan Theories of finance

by Nicolas P. Aghnides

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے ، قیمت غالبًا دس بارہ روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی ، اگر آپ اُسے منگوانا چاہین تو کسی تاجر کتب امریکانی کے ذریعہ سے منگوا سکتے ہین ، تھیکر اسپنک یا ہیگبین کلکتہ بھی منگوا سکتا ہے ، اُن کو مفصل پتہ لکھ بھیجئے یا براہ راست سکریٹری کولمبیا یونیورسٹی ، شہر نیویارک (امریکہ) سے خط وکتابت کیجئے ،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ، اور خط کا جواب جلد ملے گا ،

مخلص محمد اقبال بیرسٹر

میکلوڈ روڈ ۔

(لاہور)

(باقی)

مطبوعات جدیدہ

غوث الاعظم کے مواعظِ حسنہ مترجمہ مولانا عاشق الٰہی مرحوم میرٹھی تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۵ صفحات کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد عہ پتہ ادارہ ایمان ویقین مومن پورہ لائبریری نمبر ۳۷۵ بلاسس روڈ بمبئی نمبر ۸ ،

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات ارشاد و ہدایت کا صحیفہ شریعت وطریقت کا خلاصہ اور احسان وتصوف کا عطر ہین ، ان مین ایسے موثر انداز مین تعلیم وتلقین اور ترغیب وترہیب کی گئی ہے کہ کوئی قلب سلیم متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا تھا ، ان مواعظ کی مقبولیت اور تاثیر کا یہ حال تھا کہ اُن کے سننے کے لئے ایک خلقت ٹوٹ پڑتی تھی ، اور سننے والون پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ مجلس وعظ بزم ماتم بن جاتی تھی ، یہ مواعظ وملفوظات حضرت شیخ کے خلیفہ شیخ عفیف الدین ابن مبارک نے قلم بند کر کے جمع کئے تھے عرصہ ہوا مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم نے اردو مین اس کا ترجمہ کیا تھا جو اب نایاب ہے ، اس لئے ادارہ ایمان ویقین نے اس سرمایۂ ایمان ویقین کو دوبارہ شائع کیا ہے ، یہ مواعظ وملفوظات اپنے دینی وروحانی فوائد کے لحاظ سے ہر مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہین اور تصوف کا مذاق رکھنے والون کے لئے تو بڑا قیمتی سرمایہ ہین

اردو کی ابتدائی نشو ونما مین صوفیائے کرام کا حصہ از جناب مولوی عبد الحق صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۴۸ صفحات ، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ہر پتہ : انجمن اردو پاکستان اردو روڈ کراچی ،

یہ کتاب مصنف کی پرانی تالیف ہے ، اب اسکا نیا اڈیشن شائع ہوا ہے ، ہندوستان مین اسلام کے

سب سے بڑے مبلغ صوفیاے کرام تھے، تبلیغ اور ارشاد وہدایت کے سلسلہ میں ان کا رابطہ عوام سے زیادہ رہتا تھا اور اُن سے میل جول کے لئے ان کو عوام کی مانوس زبان استعمال کرنا پڑتی تھی، اور بعض صوفیہ اس زبان میں شاعری بھی کرتے تھے، چنانچہ اُن کے ملفوظات اور تذکروں میں اُس زمانہ میں ہندی کے الفاظ فقرے اور ہندی اشعار ملتے تھے، جب اردو کا زبان کا وجود بھی نہیں ہوا تھا آگے چل کر اسی مخلوط زبان سے اردو زبان وجود میں آئی مولوی عبد الحق صاحب کی نکتہ رس نگاہ نے عرصہ ہوا ہندی کے ان الفاظ فقروں اور اشعار کو جمع کرکے کتابی صورت میں شائع کیا تھا، اس میں حضرت شیخ فرید الدین عطار المتوفی ۶۲۷ھ سے لیکر حضرت خوب محمد چشتی المتوفی ۱۰۲۳ھ تک ۲۹ صوفیاے کرام کے ہندی فقرے اور اُن کی ہندی شاعری کے نمونے ہیں یہ کتاب اردو کی ابتدائی تاریخ کی حیثیت سے بڑی مفید اور کارآمد، اور بقامت کہتر، اور بقیمت بہتر کی مصداق ہے،

چند ہم عصر از جناب مولوی عبد الحق صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۳۱۷، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ہیے، پتہ انجمن ترقی اردو، روو روڈ کراچی،

یہ کتاب بھی مولوی صاحب موصوف کی پرانی تصنیف کا نیا اڈیشن ہے، اس میں اُن کے وہ مضامین ہیں جو انھوں نے اپنے نامور معاصرین کی وفات پر لکھے تھے، اس مجموعہ میں پہلا مضمون امیر مینائی المتوفی ۱۹۰۰ء پر اور آخری عبد الرحمٰن صدیقی مرحوم المتوفی ۱۹۵۲ء پر ہے، اس طرح یہ تذکرہ نصف صدی سے زیادہ پر پھیلا ہوا ہے، اس میں بڑے اور مشہور لوگوں کے ساتھ بعض ان چھوٹے آدمیوں کے حالات بھی ہیں جن کی زندگی دوسروں کے لئے سبق آموز ہو سکتی ہے، مثلاً نور خان چپراسی اور نام دیو مالی، مولوی صاحب کے قلم نے ہر شخص کی خصوصیات کی ایسی مصوری کر دی ہے کہ اس کی تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے، اس اڈیشن میں پانچ نئے آدمیوں کے حالات کا اضافہ ہے، یہ کتاب تاریخی اور ادبی دونوں حیثیتوں سے بڑی دلچسپ مفید اور پڑھنے کے لائق ہے، اور آیندہ چل کر تذکرہ کا کام دے گی،

نواے وقت از جناب نظام الدین ایس گورکر ایم اے لکچرار شعبہ اردو و فارسی سینٹ زیورس کالج بمبئی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۹۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار، پتہ: مصنف سے ملے گی،

یہ مصنف کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے کالج کی بزم ادب میں اردو زبان اور اسکے شعر و ادب اور مختلف ادبی موضوعوں پر کیں، تقریریں اگرچہ مختصر ہیں، مگر ان سے اردو زبان و ادب سے مقرر کی دلچسپی ان پر اُن کی نظر اور حسن مذاق کا اندازہ ہوتا ہے،

اصحاب صفہ از جناب مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت ۸ر پتہ: حضرت نظام الدین اولیاء دہلی،

اصحاب صفہ کی جماعت ان غریب اور نادار صحابہ کرام پر مشتمل تھی جن کا کوئی ذریعہ معاش اور رحمۃ للعالمین کے علاوہ کوئی دنیاوی سہارا نہ تھا، اُن کی زندگی بڑی پُرمحن اور فقر و فاقہ کی تھی، اور اُن کا مشغلہ عبادت و ریاضت، ذکر و فکر اور تعلیم و تعلم تھا، اُن کی تعداد کئی سو تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جماعت سے خاص تعلق تھا، اور آپ اُس کی بڑی دلجوئی، اور خبر گیری فرماتے تھے، اور صاحب استطاعت صحابہ کرام سے اُن کی مدد کراتے تھے، مذکورہ بالا کتاب میں اس مقدس جماعت کی اس پُرمحن زندگی کے سبق آموز حالات اور اس کے فضائل لکھے گئے ہیں،

شرح دیوان غالب نظم طباطبائی شائع کردہ انوار بک ڈپو، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۲۸ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت ہیے، پتہ (۱) انوار بک ڈپو نمبر ۱۳، امین آباد پارک لکھنؤ (۲) مبارک بک ڈپو، بندر روڈ متصل ڈینسو ہال، کراچی نمبر ۲،

نظم طباطبائی کی مشہور شرح دیوان غالب عرصہ سے کمیاب تھی، اس لئے انوار بک ڈپو نے اس کو

دوبارہ چھاپا ہے، یہ شرح اور اس کے محاسن و معائب اتنے مشہور و معروف ہیں کہ اس کیلئے کسی تعارف و تبصرہ کی ضرورت نہیں،

ملکہ حیات بخشی بیگم از جناب نصیر الدین ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۱۲ر، پتہ سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدر آباد دکن،

دکن کے اسلامی دور میں قطب شاہی خانوادہ کی ملکہ حیات بخشی بیگم ایک نامور ملکہ تھی جو اپنے کارناموں سے دکن کی تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئی، وہ سلطان محمد قطب شاہ کی بیوی، سلطان محمد قلی کی لڑکی اور اس کی مشہور حرم بھاگ متی الملقب بہ حیدر محل کے بطن سے تھی، وہ بڑی مدبر اور ہوشمند تھی، قطب شاہی دور کی تاریخ میں اس کے بہت سے سیاسی، علمی، تہذیبی اور تعمیری کارنامے ہیں، اس کتاب میں اسکے مختصر حالات اور کارنامے تحریر کئے گئے ہیں،

آہنگِ حجاز از جناب پنڈت بال مکند عرش ملسیانی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحات کاغذ کتابت و طباعت نفیس و دیدہ زیب قیمت عہ، پتہ: مرکز تالیف و تصنیف نکودر مشرقی پنجاب،

مشہور شاعر جناب عرش ملسیانی اگرچہ ہندو ہیں، مگر اُن کے قلب سلیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا نقش بھی ہے اور انھوں نے بارگاہ رسالت میں نعتوں کی نذر عقیدت پیش کی ہے، آہنگِ حجاز ان نعتوں کا مجموعہ ہے انکی تعداد اگرچہ کل گیارہ ہے مگر وہ کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان کی نعتوں سے کم نہیں ہیں اُن سے ذات نبوی کیساتھ شاعر کی سچی عقیدت ٹپکتی ہے، شاعری کے تو مصنف استاد ہی ہیں اسلئے یہ نعتیں شاعرانہ محاسن سے بھی آراستہ ہیں، اس کے شروع میں مولانا عبد الماجد صاحب کے نکتہ سنج قلم سے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ ہے اس تاریک دور میں جب کہ فرقہ پرستی اور تنگ دلی نے انسانیت و شرافت کا خاتمہ کر دیا ہو دوسرے مذہب کے ساتھ یہ ذہنیت نہایت قابلِ تقلید ہے اور ایک بڑی قومی خدمت ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اسکی عقیدت کا صلہ عطا فرمائے